www.mohaddis.com

318

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

فروری ۲۰۰۸ء

۲ اسلام اور جمہوریت میں تصورِ اہلیت
۳۴ مصحفِ شریف: ایک تاریخی جائزہ
۴۱ شہیدِ کربلا سیدنا حسینؓ کی قربانی

مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

20

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث لاہور پاکستان

جلد۴۰ / شمارہ ۲
صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
فروری ۲۰۰۸ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

اسلام اور جمہوریت میں تصورِ اہلیت — حافظ حسن مدنی — ۲

کتاب و حکمت

مصحف شریف؛ ایک تاریخی جائزہ ② — شیخ عبد الفتاح القاضی — ۲۴

تاریخ و سیر

شہیدِ کربلا سیدنا حسینؓ کی قربانی — حافظ اسمٰعیل روپڑیؒ — ۴۱

تحقیق و تنقید

جاوید احمد غامدی اور انکارِ حدیث — محمد رفیق چودھری — ٦٦

فھارس

اربعین کے موضوع پر لکھے گئے کتابچے — شاہد حنیف — ۷۴

مدیر اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زر سالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرونِ ممالک
زر سالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۲/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎: 5866476
5866396
5839404

Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

اسلام اور جمہوریت میں تصورِ اہلیت

آج پانچ برس گزرنے کے بعد پاکستانی قوم ایک بار پھر انتخابات کے اہم ترین قومی مرحلے کا سامنا کر رہی ہے۔ پاکستان کی تاریخ کے یہ انتخاب جہاں ایک طرف انتہائی متنازعہ حیثیت کے حامل ہیں، شکوک وشبہات اور وسوسوں، اندیشوں کے مہیب سائے پھیلے ہوئے ہیں وہاں اس کے نتائج بھی نوشتہ دیوار کی طرح ثبت ہیں۔ اس کے باوجود خواہی نخواہی ہر آنے والا دن انتخابات کی طرف ہمارے قدم بڑھا رہا ہے۔ ان انتخابات کے لئے سیاسی رہنماؤں کی سرکردگی میں قوم نے کئی سالوں سے مطالبے اور ہڑتالیں کی ہیں اور سیاسی لیڈر قوم کو یہ تاثر دینے میں پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں کہ وہ ہر آنے والی نئی حکومت سے اپنی شمعِ اُمید وابستہ کرلے۔ لیکن کتنے ہی مراحلِ انتخاب سے، جو سیاسی جماعتوں کے لئے وصالِ محبوب کی سی حیثیت رکھتے ہیں، گزرنے کے باوجود آج بھی پاکستانی قوم نہ صرف بدامنی، بدحالی، بے انصافی اور بے روزگاری جیسے بنیادی مسائل سے بری طرح دوچار ہے بلکہ دنیا کی کرپٹ ترین، غیر منظم، انتہا پسند، باہم منقسم اور غیر محفوظ قوم ہونے کے 'اعزازات' بھی پا چکی ہے۔

آمریت کے زیر سایہ ۸ برسوں کے دوران ہمارے ہاں جمہوریت کا صور اس شدت سے پھونکا گیا ہے کہ پاکستان کے شہری اب حقیقی جمہوریت کو بھی حسین خواب تصور کرتے ہیں۔ ہر قومی لیڈر جمہوریت کے نام کی یوں مالا جپتا نظر آتا ہے گویا یہ کوئی جنتِ گم گشتہ اور پاکستانی قوم کے دکھوں کا حقیقی درماں ہو۔ یوں تو ان حالات میں جمہوریت کے تقاضے پورے ہونا بھی ناممکن نظر آتا ہے لیکن بالفرض اگر جمہوریت کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ پانے کی ہم 'سعادت' حاصل کر بھی لیں تو کیا اس سے ہمارے ملکی و ملی مسائل میں کمی واقع ہونے کا کوئی امکان موجود ہے؟ یہی سوال زیر نظر تحریر کا موضوع ہے کہ سیاسی میدان میں ہماری وہ کونسی ایسی

www.KitaboSunnat.com

لغزشیں ہیں جن کی بنا پر اسلامی ریاست بنانے اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

آمریت اور جبر واستبداد کو تو جدید دنیا کا اجتماعی ضمیر اب رد کرچکا ہے، اور میدانِ سیاست میں اسے جاہلیت کی ایک مذموم روایت سے زیادہ کوئی حیثیت حاصل نہیں رہی، اور فی الوقت جمہوریت کو ایک بہترین اور مثالی طرزِ حکومت باور کیا جاتا ہے لیکن ہماری نظر میں جمہوریت یا 'سلطانیٔ جمہور' سے صبح نو کی اُمید وابستہ کرلینا بھی ایک سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں پاکستان کے مرکزی شہروں میں جمہوریت کے نام پر جو سیاسی نقشہ اور مستقبل کا منظر نامہ دکھائی دیتا ہے، وہ بھی ایک دردمند اور محبِّ دین وملت فرد کو مزید رنج والم اور پریشانیوں کا شکار کردینے کے لئے کافی ہے۔

الحمدللہ پاکستان کے اکثریتی باشندے مسلمان ہیں اور قرآن وسنت ہی ہمارا سرمایۂ حیات ہے۔ قرآن وسنت پر ایمان اور اس کو زیر مطالعہ رکھنے والا مسلمان جس سیاسی ڈھانچے اور اجتماعی نظام سے مانوس ہوتا ہے، اس کی جانب کوئی سنجیدہ پیش قدمی دور دور تک پاکستان کے اسلامی معاشرے میں ناپید نظر آتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسلام تو درکنار تحریکِ پاکستان کے نامور قائدین کے فرمودات کو بھی پوری قوم پسِ پشت ڈال چکی ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ مسلمان ایک بہترین سیاسی نظام کے حامل ہوتے ہوئے بھی اَغیار سے فکری بھیک مانگنے کا رویہ اپنانے پر قانع ہوئے بیٹھے ہیں۔

ہمارے موجودہ سیاسی منظر نامے میں ہم کن پہلوؤں سے کوتاہی کا شکار ہیں، اس کی نشاندہی کرنا اہل فکر ونظر کا فرض ہے، تاکہ حق کا پیغام اور اللہ کی حجت پوری ہوتی رہے۔ جہاں تک عملی کوتاہی کا تعلق ہے تو اسے مجبوری اور اضطرار تک ہی محدود رہنا چاہئے۔ لیکن جب یہ عملی کوتاہی اعتقاد ونظریے کی شکل اختیار کرجائے تو پھر قوموں کی واپسی انتہائی مشکل ہوجایا کرتی ہے۔ ان حالات میں کتاب وسنت سے منور شدہ نظام کو ہی ہمیں پیش نظر رکھنا ہوگا اور یہی ایک مسلمان کا سرمایۂ حیات ہے!

اسلام اور جمہوریت میں کئی پہلوؤں سے اساسی اور جوہری فرق پایا جاتا ہے۔ چونکہ آج

www.KitaboSunnat.com

کل ہمیں انتخاب کا مرحلہ درپیش ہے، اس لحاظ سے ہم یہاں اسی مناسبت سے چند بنیادی پہلوؤں کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے:

اسلام کا تصورِ اہلیت اور مقصدِ حکومت

اسلام کا سیاسی نظریہ دراصل اللہ کی حاکمیت ِاعلیٰ کا مظہر اتم ہے۔ اللہ کی یہ حاکمیت ِمطلقہ ہمارے دستور کی طرح محض ایک لفظی عیاشی نہیں بلکہ ایک بڑی زمینی حقیقت کی حامل ہے جس سے اسلام کے نظامِ سیاست اور دیگر نظام ہائے سیاست میں بنیادی نوعیت کے فرق واقع ہوجاتے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت جس پر قرآن وسنت کی بے شمار آیات واحادیث شاہد ِعدل☆ ہیں، اسلام کے سیاسی ڈھانچے کی ایک بالکل جداگانہ صورت گری پر منتج ہوتی ہے۔

اس کے باوجود ہمارے ہاں بعض لوگوں کے نزدیک اللہ کی حاکمیت یا اقتدارِ اعلیٰ کا محض لفظی اقرار کرلینا اور اسے سرفہرست درج کرلینا ہی کافی ہے جیسا کہ ہمارے قانون دانوں یا اقتدار پر فائز طبقوں کا رویہ ہے۔ یا بعض دانشور اللہ کی اس حاکمیت کے نظریے کو بحیثیت ِمجموعی 'انسانوں کی خلافت' قرار دیتے ہوئے اُنہیں یہ حاکمیت منتقل کرکے اس مرکزی تصور سے گریز کی راہیں تلاش کرتے رہے ہیں جبکہ مذکورہ بالا دونوں طریقوں سے اسلام کے سیاسی نظریہ کی حقیقی روح مجروح ہوکر رہ جاتی ہے۔

اللہ کی حاکمیت سے مراد ایک طرف اللہ کی شریعت کی حاکمیت ِمطلقہ ہے، تو دوسری طرف اس کا مدعا اس شریعت کے نفاذ کے لئے ایسے افراد کا مناصب ِحکومت پر سرفراز ہونا ہے جو اللہ کی حاکمیت اور شریعت کو نہ صرف اپنی ذات پر، بلکہ تمام انسانوں پر نافذ کرنے کی کامل واتم صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ اس سلسلے میں قرآنِ کریم کی زیرنظر آیت اساسی حیثیت رکھتی ہے جس سے علامہ ابن تیمیہؒ نے سیاست ِشرعیہ کے دو بنیادی اُصولوں کا استنباط کیا ہے، اور یہی اُصو لدراصل اسلام کے نظامِ سیاست کا اصل الاصول اور بنیادی جوہر ہیں:

☆ان آیات واحادیث کے مطالعے کے لئے دیکھئے **'اسلامی سیاست'** ازمولانا گوہر رحمٰن: ص ۲۲۰ تا ۲۶۷ اور جمہوری تصورِ حاکمیت کے لئے: **'اسلام کا طرزِ حکومت'**: محدث، جون ۲۰۰۰ء، ص ۴۸ تا ۵۵ جبکہ دونوں کے تقابلی مطالعہ کے لئے: **خلافت وجمہوریت** ازمولانا عبدالرحمٰن کیلانی: ص ۲۲۵ تا ۲۳۰

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانٰتِ إِلىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء:۵۸)

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ اجتماعی ذمہ داریوں کو ان کے اہل افراد کو ادا کریں اور لوگوں میں انصاف کا مرحلہ درپیش ہو تو شریعتِ اسلامیہ سے ہی فیصلہ کریں۔''

یہ آیت اسلام کے نظامِ سیاسی کا مرکز ومحور ہے جس میں کئی بنیادی تصورات کی نشاندہی کی گئی ہے، مثلاً

① اللہ تعالیٰ نے مناصب یعنی ذمہ داریاں اہل افراد کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اہل افراد کو ذمہ داری تفویض (ادا) کرنا ایک فرض ہے، نہ کہ حق۔ اس فرض کے مخاطب ومکلّف متعدد مفسر صحابہؓ وتابعینؒ☆ کے نزدیک عوام الناس کی بجائے مسلمانوں کے اہل حل وعقد یا ذمہ دار لوگ (مسلمانوں کے اولیا واُمرا) ہیں۔

② یہ آیت اجتماعی ذمہ داریوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کو 'امانت' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا یہ اختیار اور منصب اللہ کی طرف سے ایک 'امانت' ہے جس کی ادائیگی میں کوتاہی خیانت کے مترادف ہے۔

③ اس آیت میں مندرج اہلیت سے مراد ایسے افراد کو مناصب پر فائز کرنا ہے جو اللہ کے قانون کو اللہ کی سرزمین پر بہتر طور پر نافذ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں تاکہ معاشرے میں اللہ کے قانون کی عمل داری ہو۔

آیت کے مذکورہ بالا مفاہیم پر قرآن وسنت کی کئی آیات واحادیث واضح دلیل ہیں، مثلاً

❶ کسی اہل فرد کو تعین کرنا ایک حق نہیں بلکہ ایک فرض اور بار ہے جس کو بہ احسن طور انجام دینا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ جو شخص اس ذمہ داری کو صحیح طور پر انجام نہیں دیتا، اس کے بارے میں زبانِ نبویؐ سے شدید وعید آئی ہے:

قال رسول الله ﷺ: «إذا ضُيِّعَتِ الأمانة فانتظر الساعة» قال: كيف

☆ حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن عباسؓ، زیدؓ بن اسلم، شہرؒ بن حوشب اور مکحولؒ نے کہا کہ یہ آیت اُمرا اور حکام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر ابن جریر: ۱۴۵/۵، ابن کثیر ۳۲۱/۲، قرطبی: ۲۵۶/۵..... مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: 'محدث' بابت ۱۹۷۹ء کا خاص نمبر 'جمہوریت یا اسلام' ص ۴۵

www.KitaboSunnat.com

إضاعتها؟ قال : «إذا وُسِّد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة »

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! امانت کے ضیاع سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب ذمہ داریوں کو نااہل افراد کے سپرد کیا جانے لگے تو پھر قیامت☆ کا انتظار کرو۔'' (صحیح بخاری:۵۹)

اسلام کی رو سے تمام اختیارات کی مالک اللہ جل جلالہ کی ذاتِ باری تعالیٰ ہے یعنی حاکمیتِ الٰہیہ۔ اور دنیا میں جو شخص بھی اس اختیار کو استعمال کرتا ہے، اسے اس اختیار کو اللہ کی ایک امانت سمجھ کر ہی استعمال کرنا چاہئے، اور یہ مناصب بھی من مانی اور حکمرانی چلانے کی بجائے اسی جذبے اور تصور سے اہل افراد کو دیے جانے چاہئیں تاکہ وہ ان کا حق ادا کریں۔

❷ اسلام کی نظر میں یہ منصب اور ذمہ داری ایک اعزاز کی بجائے ایسی ذمہ داری اور امانت ہے جس کا محاسبہ بڑا شدید ہوگا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إنها أمانة وإنها يوم القيامة خزي وندامة، إلا من أخَذَها بحقها وأدّى الذي عليه فيها» (صحیح مسلم:۱۸۲۵)

''یہ منصب ایک ذمہ داری ہے جو روزِ قیامت رسوائی اور ندامت کا موجب ٹھہرے گی۔ ماسوا اس شخص کے جو اس حالت میں اس پر فائز ہوا کہ وہ اس کا حق رکھتا تھا اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی پوری کوشش کی۔''

❸ اسلام کا مسلم ذمہ داران سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اجتماعی ذمہ داریوں پر ایسے افراد کو فائز کریں بلکہ مسلمانوں کی خدمت اُنہیں پر مامور کریں جو اس کی بہتر اہلیت رکھتے ہوں۔

اہلیت کی دو صورتیں ہیں: اہلیت بالفعل یا اہلیت بالقوۃ

یعنی ایسے شخص کا ماضی اس امر کا آئینہ دار ہو کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتا ہو اور ماضی میں دی گئی ذمہ داریوں کو ذاتی اختیار و تعیش میں صرف کرنے کی بجائے قومی مصالح اور منصب کے فرائض کو نبھانے پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہو۔

اس سلسلے میں مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول مزید رہنمائی کرتا ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے

☆ اس فرمانِ نبویؐ میں قیامت کے انتظار سے مراد یا تو اجتماعی ہلاکت و بربادی ہے، یا انفرادی موت یا عذاب جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں الساعة کے یہی تین معانی بیان کئے ہیں۔ (۱/۵۱۳ مترجم)

www.KitaboSunnat.com

موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور آپ نے بیت اللہ کی چابیاں بنوشیبہ سے لے کر حضرت عباسؓ کو دینے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ کو یہ اَمر ناگوار گزرا اور اللہ نے روکتے ہوئے یہ حکم نازل فرمایا کہ عثمانؓ بن طلحہ کا خاندان چونکہ پہلے بیت اللہ کا کنجی بردار تھا، اور اُنہوں نے اپنی ذمہ داری بہ طریق احسن انجام دی تھی، اس لئے اب بھی یہ ذمہ داری اُنہی کو تفویض کی جانی چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر: زیر آیت محولہ بالا)

چنانچہ بیت اللہ کی چابیوں کی ذمہ داری کے لئے حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے خاندان کو منتخب کرنے کی بنیاد ان کی ماضی کی وہ ثابت شدہ اہلیت تھی جو مستقبل میں بھی اس امر کی قوی ضمانت ہے کہ وہ آئندہ بھی اس منصب کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوں گے۔

بعض اوقات ایسے تو نہیں ہوتا کہ ماضی میں کسی شخص نے کوئی کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہوں لیکن اس متعلقہ فرد میں یہ اہلیت بالقوۃ موجود ہوتی ہے کہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ شخص دیگر اُمور میں اپنی ذمہ دارانہ روش کی بنا پر مزید سونپے جانے والے معاملات میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گا، لیکن اس نوعیت کی اہلیت کے بارے میں ایک سے زیادہ آرا بھی پائی جاسکتی ہیں، جیسا کہ اُسامہ بن زیدؓ کو غزوات پر امیر بناتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

«إن تطعنوا في إمارته فقد كنتم تطعنون في إمارة أبيه من قبل وأيم الله إن كان لخليقا للإمارة وإن كان لَمِن أحب الناس إليَّ وإن هذا لَمِن أحب الناس إلي بعده» (صحیح بخاری: ۴۴۶۹)

''تم اس کی امارت کے بارے میں اعتراض کرتے ہو، اور تم اس سے قبل اس کے والد کے بارے میں بھی یہی رویہ اختیار کر چکے ہو۔ واللہ! یہ امارتِ لشکر کے لئے بالکل موزوں ہے، اس کا والد میرے لئے محبوب ترین تھا اور یہ بھی اس کے بعد میرے لئے محبوب ترین ہے۔''

علامہ ابن تیمیہؒ کسی بھی منصب پر تعیناتی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''اَصلح (اہل وموزوں ترین) فرد موجود ہے تو ولی الامر کا فرض یہ ہے کہ وہ اُسے ولایت واختیار عطا کرے، اگر اَصلح موجود نہ ہو تو پھر صالح کو یہ ذمہ داری تفویض کرنی چاہئے۔ ہر منصب اور عہدے کے مناسب حال الامثل فالامثل کو مقرر کرنا والی کا فرض ہے۔ اگر والی نے اپنی طرف سے پوری کوشش اور جدوجہد کے بعد ایسا کر دیا تو اس نے ولایت وخلافت کا حق ادا کر دیا اور

www.KitaboSunnat.com

کہا جاسکتا ہے کہ ایسا حکمران عادل اور عنداللہ 'مقسط' ہے۔'' (سیاستِ شرعیہ: ص ۹۶)

پھر منصب کی دو بنیادی اہلیتوں کا ذکر کرتے ہوئے امام صاحب فرماتے ہیں:

''صاحبِ منصب کے لئے قوی اور امین ہونا بنیادی اوصاف ہیں۔ اور قوت سے مقصود علم وعدل اور اپنے احکام کو نافذ کرنے کی اہلیت ہے جبکہ امانت سے مراد خشیتِ الٰہی اور حقوقِ الٰہی کو قلیل متاع دنیا کے عوض فروخت نہ کردینا ہے۔'' (ایضاً: ص ۹۷)

چنانچہ اسلام میں منصب پر تعین اہلیت کی بنا پر ہی ہوتا ہے، نہ کہ کسی اور بنا پر اور جو شخص یہ ذمہ داری ایسے فرد کو تفویض کرے جو اس کا اہل نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں وعید نازل فرمائی ہے:

«من وُلِّي من أمر المسلمين شيئًا فولّى رجلاً وهو يجد من هو أصلح للمسلمين فقد خان الله ورسوله» (مستدرک حاکم، فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۶۹/۶)

''جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات میں کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے کسی شخص کو آگے منصب پر فائز کیا، حالانکہ اس منصب کے لئے اس سے بہتر شخص موجود تھا تو آگے منصب پر فائز کرنے والا یہ شخص اللہ اور رسولؐ (کی امانت) میں خیانت کا مرتکب ہے۔''

ایک اور فرمانِ نبویؐ ان الفاظ سے بھی آیا ہے کہ

«من استعمل رجلاً من عصابة وهو يجد في تلك العصابة أرضٰى منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين» (مستدرک حاکم: ۹۲/۴)

''جس نے ایک جماعت پر ایسے شخص کو ذمہ داری سونپی حالانکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ موزوں اور بہتر شخص موجود تھا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کا ارتکاب کیا۔''

❹ مسلمانوں میں کسی کو ذمہ داری دینے کا مقصد صرف حکومت اور شریعتِ الٰہیہ کا قیام ہونا چاہئے نہ کہ کوئی اور دوسری منفعت۔ قرآنِ کریم کی اس آیت کے دوسرے جز ﴿اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ سے حاصل ہونے والا یہ دوسرا بنیادی اُصول ہے۔

یوں تو اس آیت کا بکثرت حوالہ دیا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں عدل کا مفہوم مطلق اور وسیع معنی میں لیا جاتا ہے جب کہ اسلام میں عدل کے مفہوم کا تعین نبی کریم ﷺ کے اس فرمانِ

www.KitaboSunnat.com

مبارک سے بخوبی ہوجاتا ہے جسے حضرت علیؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«كتاب الله فيه نبأ ماكان قبلكم وخبرما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل . من قال به صَدَق ومن عمل به أُجرومن حَكَم به عدل»

''یہ اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) ہے جس میں گذشتہ قوموں کے حالات ہیں اور آنے والے واقعات کی خبر ہے۔ یہ کتاب تمہارے مابین پیش آنے والے مسائل کے لئے فیصلہ کن (حَکَم) ہے۔ یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے، کوئی مذاق نہیں۔ جس نے اس کی بنا پر کوئی بات کی تو اس نے سچ بولا۔ جس نے اس کی بنا پر عمل کیا تو وہ اجر کا مستحق ہوگیا، اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تو اُسی نے عدلِ حقیقی کو ملحوظ رکھا'' (سنن ترمذی:۲۹۰۶)

◉ اس فرمانِ نبویؐ میں عدل وانصاف کو کتابِ الٰہی کے ساتھ فیصلہ کرنے سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی نظر میں کتابِ الٰہی کو نظر انداز کرکے عدل کرنا ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں یہ بھی قرار دیا ہے کہ

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ:۴۵)

''جو اللہ کی نازل کردہ وحی (قرآن وسنت) سے فیصلہ نہ کریں تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔''

ظاہر ہے کہ 'ظلم' عدل کے عین متضاد وصف ہے۔ اور کتاب وسنت کے ماسوا سے فیصلہ کرنے کو 'ظلم' سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا اس آیت کا مفہومِ مخالف یہ تقاضا اور تعین کرتا ہے کہ عدل سے مَا أنزل الله کے مطابق فیصلہ کرنا ہی مراد لیا جائے۔ چنانچہ ہر وہ فیصلہ جو کتاب اللہ کو نظر انداز کرکے کیا جاتا ہے، انسان چاہے اس کو لاکھ عدل تصور کرے لیکن درحقیقت اللہ کی نظر میں وہ عدل کا حقیقی تقاضا پورا نہ کرتے ہوئے ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔

کتاب وسنت سے فیصلہ کرنے اور اللہ و رسول ﷺ کو فیصلہ کن حیثیت دینے پر بیسیوں آیات واحادیث پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ چنانچہ قرآن میں ذکر کردہ عدل کو قرآن کے تصورِ عدل سے ہی مشروط سمجھنا ضروری ہے۔

◉ اسلام میں حکومت اور مناصب کا مقصدِ اصلی 'شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ' ہے، حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے ایک بار اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کو امارت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''امارت کا قیام ہر حال میں ضروری ہے، چاہے امیر ذاتی طور پر نیک ہو یا گناہ گار۔

www.KitaboSunnat.com

لوگوں نے پوچھا کہ امیر المومنینؓ! نیک امیر کا تو مقصد واضح ہے، فاجر امیر کا کیا فائدہ؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ اس سے اتنا فائدہ تو ضرور حاصل ہوگا کہ

یُقام بها الحدود وتأمن بها السُّبل ویجاهد به العدوّ ویُقسم بها الفيء

''حدود اللہ کو قائم کیا جائے گا، گزرگاہوں میں امن وامان قائم ہوجائے گا، دشمنِ اسلام سے جہاد ممکن ہوگا اور مالِ فئے کی تقسیم ہوسکے گی۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہ:۶/۳۷۹)

◉ حضرت علیؓ کا ایک اور فرمان یہ بھی ہے کہ

''مسلمانوں کے فرمان روا پر یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے فیصلہ کرے اور امانت ادا کرے اور جب وہ یہ کام کررہا ہو تو مسلمانوں پر بھی یہ فرض ہے کہ وہ اس کی سنیں اور اس کی اطاعت بجالائیں۔'' (کنز العمال)

حضرت علیؓ کے ان فرامین سے پتہ چلتا ہے کہ امارتِ اسلامیہ کے بنیادی فرائض میں حدود اللہ کا قیام، امن وامان، ریاستِ اسلامیہ کا تحفظ اور ظلم وستم کا خاتمہ وغیرہ شامل ہیں اور ظاہر ہے کہ حدود اللہ کا قیام ایک شرعی تصور وضرورت ہے۔قرآنِ کریم میں ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾... الخ

''اگر ہم مسلمانوں کو زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قائم کریں گے۔''

مصر کے ممتاز مفکر سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ

''میں ان لوگوں کو غلط فہمی کا شکار سمجھتا ہوں جو کہتے ہیں کہ اسلامی نظام اصل میں اسلامی سوشلزم ہے، یا اسلامی جمہوریت ہے۔اسلام کے نظام سیاسی کے چار بنیادی اُصول ہیں: حاکمیتِ الٰہ، عدل من الحکام، اطاعت فی المعروف اور شوریٰ۔'' (العدالة الاجتماعية:ص۹۳ تا ۱۰۱)

موجودہ سیاست سے ایک تقابل

یہ تو ہیں شریعتِ اسلامیہ کے واضح اور دوٹوک تصورات جن کی مختصر طور پر یاد دہانی کے بعد آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ ہمارے ہاں منصب واعزاز کو کس بنا پر حاصل کیا یا عطا کیا جاتا ہے اور عوام کس بنا پر اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں؟ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ جمہوریت اپنی اساس، ساخت اور طریق کار ہر پہلو سے اسلام کے نظامِ سیاست سے یکسر مختلف ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے تصورِ انتخاب، تصورِ نمائندگی، تصورِ اہلیت، اساسی جوہر، مقصد ومطلب اور بنیادی تصور ومیکانزم غرض ہر پہلو سے اسلام اور جمہوریت میں واضح تضاد پایا جاتا ہے لیکن سردست دیگر پہلوؤں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم صرف تصورِ اہلیت تک محدود رہیں گے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کردہ آیات واحادیث سے علم ہوا کہ اسلام کی نظر میں منصب کا تعین اہلیت کی بنا پر ہی ہوتا ہے اور کوئی خارجی بنیاد اس میں مؤثر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر تمام وجوہات مختلف لوگوں کو مناصب پر فائز تو کرسکتی ہیں لیکن معاشرے اور اجتماع کی خدمت اور ترقی کی قوی ضمانت قرار نہیں پاسکتیں اور شریعتِ مطہرہ کے نفاذ وعمل داری کی طرف بھی معاشرے کا رخ موڑنے پر قادر نہیں ہوتیں۔

لیکن جب ہم اپنے گردوپیش پر نظر دوڑاتے ہیں تو فی زمانہ ہمیں بے شمار ایسے اُمیدوارانِ مناصب میدانِ سیاست میں نووارد نظر آتے ہیں، جن کی مطلوبہ منصب کے لئے اہلیت کسی سابقہ کارگزاری اور اجتماعی خدمت کی بجائے، بعض اوقات کسی مضبوط سیاسی پارٹی کی پشت پناہی ہوتی ہے، تو کوئی اُمیدوار ایک منصب کے دیوانہ وار حصول کے لئے اَن گنت مال ودولت لٹانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کسی کی قوت کا راز اس کے مضبوط خاندانی اثر ورسوخ میں پوشیدہ ہے تو کوئی عوام کو اپنی جادو اثر وعدوں سے متاثر کرکے اُن سے ووٹ مانگنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ حتیٰ کہ بعض سیاستدانوں کے ووٹ حاصل کرنے کی اہم بنیاد اس کے سوا کوئی نہیں ہوتی کہ وہ بعد میں اپنے ووٹروں کے جائز وناجائز کام کروانے کے لئے بڑے مؤثر تصور کئے جاتے ہیں۔ بعض سیاستدان صرف اس بنا پر کامیاب ہوجاتے ہیں کہ وہ نفسیاتی ہتھکنڈوں سے بخوبی فائدہ اُٹھانے کا ہنر رکھتے ہیں یا بعض جاگیرداروں کے ووٹر اُن کو منتخب نہ کریں تو وہ امیدوار اُن لوگوں کا جینا دوبھر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

یہ اور اس نوعیت کی کئی دیگر وجوہات ہیں جن کی بنا پر عوام کی رائے پر اثر انداز ہوکر موجودہ جمہوری نظام میں سیاسی رہنما عوام کے نمائندے بن بیٹھتے ہیں جو دراصل عوام کی ضروریات کے استحصال یا ان کے وقتی جذبات سے فائدہ اُٹھا کر درحقیقت اپنا اُلوسیدھا کرتے ہیں۔

☆ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: 'اسلام اور جمہوریت میں تصورِ نمائندگی': محدث اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۲ تا ۱۰

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت کا یہ تصورِ اہلیت و نمائندگی آج دنیا کے بیسیوں ملکوں میں اپنی حقیقت آشکارا کر چکا ہے جس میں بظاہر عوام کا نمائندہ بننے والا درحقیقت محض مقابلتاً چند ووٹوں کی اکثریت کا مرہونِ منت ہوتا ہے اور اکثر وبیشتر اس کو نامنظور کرنے والے مجموعی طور پر اس کو قبول کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، گویا ردّ کرنے والوں کی مجموعی اکثریت کے باوجود وہ ان کا نمائندہ ٹھہرتا☆ ہے۔ اس بنا پر بظاہر عوام کی نمائندگی کا اعزاز پانے والے 'عوام کی حکومت' کے نام پر اَشرافیہ کا ایسا نیا جتھا بن بیٹھتے ہیں جو عوام سے ایک بار ووٹ لینے کے بعد اپنے منصب کے باقی ایام عوامی خدمت سے قطع نظر اپنے مفادات کی اسیری اور اپنی لالچ وطمع کی تسکین کے لئے ہر لمحہ صرف کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ گویا جمہوریت کا نظریہ 'حکومت ِعوام' اس نعرے اور لفظ کے استحصال سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، جس میں اشرافیہ کا ایک گروہ عوام کی حکومت کے نام پر ان کے سر پر مسلط رہتا ہے۔

اس کی مثالیں جدید دنیا میں ہر طرف بکھری نظر آتی ہیں، جیسا کہ آج عوام کی حکومت کے نام پر نہ صرف پاکستان میں ابتدا ہی سے چند خاندان 'عوامی حاکمیت کا مصداق' ٹھہر چکے ہیں بلکہ دنیا کی بڑی جمہوریتوں مثلاً امریکہ و بھارت میں بھی چند خاندانوں (گاندھی، نہرو اور بش وکلنٹن وغیرہ) کے گرد ہی 'عوامی حاکمیت' کا نعرہ طواف کرتا دکھائی دیتا ہے۔ دوسری طرف عوام جمہوریت کے نام سے حکومت کا اِلزام سہنے کے باوجود ابھی تک محروم اور بنیادی سہولتوں کے ہی متلاشی نظر آتے ہیں۔

ہر دو نظاموں میں تصورِ اہلیت کا تجزیہ

◉ اسلام اور جمہوریت میں اہلیت کا یہ فرق دراصل ہر دو نظاموں کی اساسی روح میں

☆ اسلام میں عوام کی رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کا کردار انفعالی ہے، وہ منصب کی نشاندہی کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن صاحبِ منصب ان کا اعتماد یافتہ ضرور ہوتا ہے جسے ولاۃ الامر اہلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے متعین کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ متعین کرتے ہوئے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے راے عامہ کو پیش نظر رکھا تھا: إني قد نظرت في أمر الناس فلم أرهم يعدلون بعثمان (بخاری:٦٦٦٧) خلفاے اربعہ میں سے کسی کا انتخاب جملہ عوام نے براہِ راست نہیں کیا لیکن وہ سب اُمت کے اعتماد یافتہ تھے۔

www.KitaboSunnat.com

موجود ہے۔ جمہوریت چونکہ عوامی حاکمیت کا داعی نظامِ سیاست ہے، اس لئے وہاں انتخاب کا یہ اختیار بظاہر عوام کو ہی حاصل ہے۔ جبکہ اسلام چونکہ حاکمیتِ الٰہیہ کا علم بردار ہے، اس بنا پر وہاں اجتماعی مناصب کی اہلیت کے لئے متعلقہ فرد کا شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ اور اسلامی تصورات پر عمل داری کے لئے موزوں ومناسب ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

◉ یہ بھی حاکمیت کے اساسی نظریے کا ہی مظہر ہے کہ اسلام میں حاکمیت چونکہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اس بنا پر اس کی شریعت کے ماہر اور اس پر عمل پیرا لوگ نہ صرف خود ذمہ داریوں کے لئے موزوں ٹھہرتے ہیں بلکہ آگے بھی مناصب کے لئے نامزدگی کرنا ان کا استحقاق ہوتا ہے۔ گویا اسلام میں مناصب کی تقسیم اوپر سے نیچے کی طرف ہوتی ہے، جس میں عوام کا انتخاب میں کوئی کردار ہونے کی بجائے صاحبِ منصب کے لئے محض ان کا اعتماد یافتہ ہونا ہی کافی ہوتا ہے☆ اس کے برعکس جمہوریت چونکہ حاکمیتِ عوام کی داعی ہے، اس بنا پر جمہوریت میں عہدوں کی تعیناتی اہل فکر ونظر کی بجائے، ہر شخص کا بنیادی حق قرار پاتی ہے۔ یعنی حکومت بظاہر نیچے سے اوپر کی طرف جاتی دکھائی دیتی ہے۔ ایسی صورت میں معاشرے میں بھی اللہ کی طرف رجوع کی بجائے عوام الناس کے مفادات یا غیر الٰہی اَغراض پورے ہونے کے امکانات قوی ہوتے ہیں جبکہ اسلام کا مقصد معاشرے کو اللہ کی بندگی کی طرف لانا ہے۔

◉ اسلام کا یہی تصورِ حاکمیت اس کے طرزِ شورائیت میں بھی نمایاں ہے۔ اگر مشاورت میں ووٹنگ کا طریقہ اپنایا جائے تو اس کا مطلب تمام اراکین کی حاکمیت کا تحفظ ہے جو وہ عوام سے لے کر آئے ہوتے ہیں۔ اور ووٹنگ کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرف یہ حاکمیتیں زیادہ ہوجائیں، فیصلہ اس کے مطابق ہونا چاہئے جبکہ اسلام میں حاکمیتِ الٰہیہ کا تصور ہے، اس بنا پر ووٹنگ کی بجائے دلیل واستدلال کی بنا ہی پر فیصلہ ہوتا ہے، جو شرعی وتجرباتی ہر دو نوعیت کے

☆ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان کو اشارتاً ان کی امارت کے متعلق یہ ہدایت فرمائی تھی کہ «يا عثمان! إنه لعل الله يقمصك قميصًا فإن أرادوك على خلعه فلا تخلعه» (سنن ترمذی: ۳۷۰۵) ''عثمان! عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے خلعتِ (امارت) پہنائیں گے، لوگ تجھ سے اس کے اُتارنے کا مطالبہ کریں گے، لیکن تو اسے مت اُتارنا۔''

www.KitaboSunnat.com

دلائل ہوتے ہیں۔البتہ ذوقی یا احتمالی دلائل میں صاحبِ امر کو ایک رائے کو ترجیح دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔گویا اسلامی شورائیت کئی 'متوازی حاکمیتوں کے اشتراک' کی بجائے اللہ کی حاکمیت کے قریب ترین ہوتی ہے اور اس کے اراکین بھی ماہر شریعت ہوتے ہیں، جیسا کہ خیرالقرون کی شوریٰ کے اراکین کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

◉ اسلام میں رائے عامہ کسی منصب کے لئے فیصلہ کن کردار ادا نہیں کرتی بلکہ ارکانِ شوریٰ یا ولاۃ الامر مختلف ذمہ داریوں کے لئے اَفراد کو متعین کرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کا انتخاب تو ان کے ذاتی مقاصد یا ظاہری نعروں کے تابع ہوتا ہے جس کے دھوکے میں وہ آجاتے ہیں۔جبکہ اسلام کا بنیادی مقصد معاشرے پر اللہ کی حاکمیت یعنی شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہے، اس لئے وہاں ایسے ہی لوگ الٰہی مقاصد کی تکمیل کی غرض سے مختلف لوگوں کی اہلیت کے مطابق ان کو ذمہ داریاں سونپتے ہیں۔

◉ علاوہ ازیں جمہوریت میں چونکہ مناصب بظاہر تمام عوام کا استحقاق ہیں، اس بنا پر ہر منصب کے لئے ایک مخصوص وقت مقرر ہے، تاکہ بعد میں یہ منصب دوسرے لوگوں کو بھی حاصل ہوسکے۔جبکہ اسلام کی رو سے منصب کا اصل رخ اللہ کے دین کو بدرجہ اتم نافذ کرنے کی ذمہ داری کو پورا کرنے اور فلاحِ عامہ کی اہلیت سے متعلق ہے، اور جو شخص اس مقصدِ شرعی کو پورا کرنے کی اہلیت سے بہرہ ور ہو، وہ ایک طویل عرصہ اس منصب پر متمکن☆ رہ سکتا ہے، تاوقتیکہ وہ اس میں کسی خلل (کفر بواح وغیرہ) کا مرتکب نہ ہو اور یہ مدت انتہائی کم یا انتہائی زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔چنانچہ اسلام میں جمہوریت کی طرح عوام کسی امیر کی معزولی کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہوتے، البتہ جب حکمران نماز کے بنیادی فرض سے غفلت شعاری اپنائے تو اس وقت لوگوں پر اس کی اطاعت کرنا ضروری نہیں رہتا۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ اسلام کا نظامِ سیاست یعنی 'خلافت' حاکمیتِ الٰہی کے نام پر ایک مخصوص مذہبی طبقے کی حکومت کا نام ہے، جس کو تھیاکریسی کے نام سے جدید دنیا بڑی شدت سے ردّ کرچکی ہے۔اس سلسلے میں واضح رہنا چاہئے کہ اسلام میں نہ تو علما کا کوئی مخصوص

☆ تفصیل کے لئے دیکھئے: مقالہ 'نفاذِ دین کے لئے چند شرائط' مقالاتِ اصلاحی: ج۱ص۲۵۳ تا ۲۵۸

www.KitaboSunnat.com

طبقہ ہے، نہ ہی پاپائیت کی طرح اُنہیں عام شخص سے کوئی امتیاز حاصل ہے اور نہ اس کے لئے کوئی خصوصی احکامات ہیں۔ البتہ اسلام ایک خاص طبقہ کی بجائے ایک مخصوص علمی اہلیت☆ اور ایک عملی کیفیت (تقویٰ) کا تقاضا ضرور کرتا ہے جو اللہ کی شریعت کو سمجھنے، پھر اسے اپنے اور دوسروں پر نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ غرض خلافت درحقیقت اللہ کی حاکمیت (شریعت کی حاکمیت) کا نام ہے، جس شریعت کی خلیفہ بھی مخالفت کرے تو وہ مستوجبِ سزا ٹھہرتا ہے۔ دیکھئے حضرت ابوبکرؓ صدیق کا خطبہ خلافت

الغرض اسلام کا نظریۂ اہلیت، اس کے تصورِ اقتدارِ اعلیٰ سے جڑا ہوا ہے۔ اللہ کی ذات حاکم اعلیٰ ہے تو اس کی شریعت کو اُس کے الفاظ ومراد کی بنا پر دنیا میں نافذ کرنا اسلام کا مقصدِ اصلی ہے۔ اور جو لوگ اس شریعت پر عمل پیرا اور اس کے حامل ہیں، وہ لوگ معاشرے میں مزید ذمہ داروں کو متعین کرکے معاشرے کا رخ اسلامی مقاصد کی طرف موڑنے کے ذمہ دار ہیں۔

'اسلامی جمہوریت' کیونکر؟

جمہوریت جہاں ایک طرف عوام کی حاکمیت کی دعویدار ہے، وہاں اس بنیادی نعرے کے بعد اس کا دوسرا بنیادی اُصول اللہ کی حاکمیت کا انکار یعنی سیکولرزم (مذہب بیزاری) بھی ہے۔ گویا ایک طرف جمہوریت عوام کی حاکمیت کی داعی ہے تو اس کے ساتھ ہی مذہب کی حاکمیت یا عمل داری کی شدید مخالف بھی ہے۔ اور اپنے اس موقف میں بڑی واضح ہے لیکن ہمارے ہاں بعض دانشوروں کا نظریۂ خلافت عجب ثنویت کا شکار ہے۔ ایک طرف تو وہ اللہ کے لئے اقتدارِ اعلیٰ کا تصور رکھتے ہیں تو ساتھ ہی وہ یہ اقتدارِ اعلیٰ انسان کو بحیثیتِ مجموعی منتقل کردیتے ہیں کہ

''عام مسلمان خلیفہ ہوتے ہیں اور پھر وہ اپنی خلافت ایک شخص میں مرکوز کرتے اور اسے تفویض کرتے ہیں۔''

ایسے لوگوں کا یہ رویہ اسلام کے نام پر دراصل جمہوری تصورات کی عمل داری کا ہے جس کو اسلام کا مجموعی مزاج کسی طرح قبول نہیں کرتا اور کتاب وسنت میں اس کے خلاف کئی ایک دلائل موجود ہیں۔ ایسی اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں یہ حاکمیت تمام انسانوں کو حاصل ہوتی ہے اور یہاں تمام مسلمانوں کو۔

www.KitaboSunnat.com

یاد رہے کہ اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ میں انسان تو کجا، سید المرسلین ﷺ بھی شریک نہیں۔ قرآن کی رو سے کسی نبی کو روا نہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کی بجائے اپنی طرف دعوت دے بلکہ نبی کی بات کو بہ تسلیم ورضا قبول کرنے کی وجہ بھی اس بات کے من جانب اللہ ہونے میں پوشیدہ ہے، کیونکہ نبی کا تعین اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور وہ اللہ کی وحی کو ہی اپنی زبان سے ادا کرتا ہے، اس لئے اُس کی ہر بات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

تصورِ حاکمیت کی اس ثنویت کے ساتھ یہ اَمر مزید حیرانگی کا باعث ہے کہ جب بعض متحرک دینی جماعتیں ایک طرف تو سیکولرزم کے اَثرات سے ملک کو بچانے کے لئے غیر معمولی جدوجہد کرتی نظر آتی ہیں تو دوسری طرف اس جمہوری طرزِ سیاست کی بھی علم بردار نظر آتی ہیں جس کا دوسرا اساسی اُصول 'سیکولرزم' ہے۔

جمہوریت کو اسلامی بنانے اور کہنے کا تصور ایک سراب سے زیادہ نہیں کیونکہ ہر نظام اپنی وضع قطع اور ساخت وپرداخت میں اپنے اساسی نظریات ومعتقدات کا یقینی مظہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جمہوریت کا تصورِ الٰہیت اور اسلام کا تصورِ الٰہیت دو بالکل متضاد تصور ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے لئے ہر دو نظاموں میں بالکل جداگانہ میکانزم اختیار کیا گیا ہے۔ غیر اسلامی نظاموں کو اسلامی لیبل لگا دینے سے کوئی نظام ہرگز اسلامی نہیں بن سکتا!!

◉ اسلام کی رو سے اجتماعی میدان میں مقاصدِ شرع کی تکمیل ایسا برتر مقصد ہے جو اگر فاجر سلطان سے بھی پورا ہوتا ہو تو ایسے امیر کو اس دوسرے حکمران پر ترجیح دی جائے گی جو ذاتی طور پر تو نیک وپرہیز گار ہے، لیکن مقاصدِ شرع کی تکمیل کی صلاحیتِ تامہ سے محروم ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے جب ایسے دو اشخاص کی بابت یہ پوچھا گیا کہ کس کو ترجیح دی جائے؟ تو اُنہوں نے یہ دانش مندانہ موقف پیش کیا کہ

''اجتماعی مصالح کی بہتر تکمیل کے لئے ایسے فاجر امیر کا انتخاب زیادہ موزوں ہے، بجائے ایسے متقی شخص کے جو اجتماعی مصالح کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ فاجر کا فجور اس کی ذات کے لئے، جبکہ اس کا عامۃ المسلمین کے لئے مفید ہونا عوام کے لئے نفع بخش ہے۔ برخلاف ایسے شخص کہ جو ذاتی طور پر تو متقی ہے، لیکن عوام میں دین وشریعت کے نفاذ اور دیگر مقاصد کو پورا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔'' مُلخَّصًا

www.KitaboSunnat.com

◉ اسلام میں چونکہ حاکمیت عوام کا حق نہیں ہے، بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کا حق ہے، اس بنا پر یہاں جمہوریت کے عین برعکس یہ تصور بھی موجود ہے کہ خلافت کے لئے طریقۂ انتخاب زیادہ اہم ہونے کی بجائے خلیفہ کا حاکمیتِ الٰہیہ کے مقاصد سے ہم آہنگ ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف جمہوریت میں سلطانیٔ جمہور کے نام پر اساسی حیثیت طریقۂ انتخاب کو ہی حاصل ہے، اس کے بعد عملاً حکومت کے پورے پانچ برس 'عوام کی حاکمیت' کے نظریے کا تمسخر ہی اُڑایا جاتا ہے۔ جمہوریت کا نظریہ حاکمیت عوام کا اظہار محض مرحلۂ انتخاب کے وقت ہوتا ہے جبکہ اسلام میں حاکمیتِ الٰہ کا اظہار دورانِ حکومت لگاتار ہوتا رہتا ہے۔

اسلام میں منصب کے لئے مروّجہ مناسبتوں کی نفی

اسلام کی رو سے کسی منصب کے لئے معتبر اہلیت صرف وہی ہے جس کا شریعتِ مطہرہ نے اعتبار کیا ہے۔ جہاں تک جمہوری نظام کی متعارف کردہ مختلف اہلیتوں کا تعلق ہے تو اسلام نے بڑی شدت سے ان اہلیتوں کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ذاتی منفعت کے لئے منصب کی اُمیدواری اصلاً حرام ہے، کیونکہ اس میں اُمیدوار کے پیش نظر ذاتی مفاد ہوتا ہے، جیسا کہ مختلف احادیثِ نبویہؐ میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ

إن قومًا دخلوا عليه سألوه ولايةً فقال: «إنا لا نولِّي أمرنا هذا مَن طلبه»

''بعض افراد نے نبی ﷺ سے مناصب کا تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم مسلمان ان لوگوں کو اپنی ذمہ داریاں نہیں سونپتے جو ان کے طلب گار ہوں۔'' (صحیح مسلم:۳۴۰۲ وغیرہ)

اس نوعیت کے متعدد فرامین نبویؐ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بآسانی یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی فرد کا ایک منصب کی خواہش کرنا ہی اس کی نااہلی کی دلیل ہے کیونکہ شریعت نے صراحت کے ساتھ اس اُمیدواری اور طلبِ جاہ سے منع کردیا ہے۔ یہ طلب گاری اور خواہش مندی محض کوئی ظاہری مطالبہ نہیں بلکہ ایک فرد کی ذاتی وارداتِ قلبی ہے جس کے دوررَس نتائج اس فرمانِ نبویؐ میں بیان ہوئے ہیں، جو آپ نے ایک صحابی (ابوذرؓ غفاریؓ) کو مخاطب کرتا ہوئے فرمایا تھا:

«لاتسئل الإمارة فإنك إن أعطيتَها من غير مسئلة أُعنتَ عليها وإن أعطيتَها عن مسئلة وُكِّلتَ إليها» (صحیح بخاری:۶۷۲۲)

www.KitaboSunnat.com

''امارت کا مطالبہ نہ کرو۔ اگر تمہیں یہ منصب بلاخواہش کے مل جائے تو تمہاری اللہ کی طرف سے مدد کی جائے گی، اور اگر تم اپنی خواہش سے منصب پر فائز ہوتے ہو تو اس کے نتائج کی تمام تر ذمہ داری تم پر ڈال دی جاتی ہے۔''

ایسے ہی آج کے دور میں ذاتی قرابت داری یا ذاتی پسند و ناپسند اور مفادات کی بنا پر اکثر وبیشتر مناصب کو تقسیم کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام کی نظر میں موزوں ترین اہلیت کو نظر انداز کر کے ایسا کرنا صریحاً ناجائز ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ

من وُلِّيَ من أمر المسلمين شيئًا فولّى رجلا لِمَودة أو قرابة بينها فقد خان الله ورسوله والمسلمين (فتاویٰ:۲۶۹/۶)

''جسے مسلمانوں کے اجتماعی معاملہ کا اختیار ملا اور اس نے دوسرے شخص کو ذاتی محبت یا قرابت داری کی بنا پر یہ ذمہ داری سونپ دی تو ایسا شخص اللہ اور رسولؐ سے خیانت کا سزاوار ہے۔''

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''پس اگر والی جادۂ استقامت سے ہٹ گیا، یا زیادہ حق دار اور اَصلح کو چھوڑ کر کسی قرابت، وَلاء وعتاقہ، دوستی یا کسی آبادی میں اپنائیت اور موافقت کی بنا پر، یا مسلکی موافقت یا کسی اور وجہ کی بنا پر، یا باہم ایک جنس ہونے مثلاً ایرانی، ترکی، رومی ہونے کی وجہ سے یا رشوت یا کسی دوسری منفعت کی وجہ سے، یا کسی بھی دیگر ایسے اسباب کی بنا پر..... یا حق دار سے ذاتی کینہ وعداوت کی بنا پر، اس نے حق دار و مستحق اَصلح شخص کو چھوڑ کر غیر مستحق، غیر اصلح کو منصب پر مقرر کیا تو وہ یقیناً اللہ، اس کے رسول اور عام مسلمانوں سے خیانت کا مرتکب ہوا، جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی اس آیت میں واضح طور پر منع کیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (الانفال:۲۷)

''مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کا ارتکاب ہرگز نہ کرو اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کرو، تم اس کے وبال سے خوب واقف ہو۔'' (سیاستِ شرعیہ مترجم: ص ۸۸)

الغرض اسلام کا تصورِ اہلیت ایسا قابل عمل نظام ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ اور اجتماع کے برتر مفاد پورے ہونے کے امکان زیادہ قوی ہوتے ہیں اور یہ جمہوریت کے تصورِ اہلیت کے عین برعکس ہے جو صرف عوام کے ذاتی مفادات کے گرد گھومتا ہے۔ اور اہل دین

www.KitaboSunnat.com

کو منتخب نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اگر یہ لوگ اقتدار میں آ گئے تو سہولتوں اور منفعتوں کی بجائے ہمیں بھی شریعت کی پابندی کرائیں گے۔ اور انسان سہولت پسندی کے باعث کسی بھی پابندی سے گھبراتا ہے، اس لئے اہل دین کی بجائے اپنا ووٹ بھی ان لوگوں کو دینے کو ترجیح دیتا ہے جس کا حوالہ دے کر بعد میں اپنا کوئی کام نکالا جا سکے۔

اسلام کا تصورِ انتخاب

اسلامی معاشرہ ایک ذمہ دار معاشرہ ہے جس میں اسلام کی تعلیمات کو اگر اپنی روح کے ساتھ روبہ عمل لایا جائے تو مسلمانوں میں باہمی خیر وصلاح اور محبت ومودّت کے ساتھ خدمت وقربانی کرنے والے کئی افراد ازخود نمایاں ہوجاتے ہیں، جیسا کہ دورِ نبویؐ میں ایسے ہی ہوا تھا لیکن ایسے قیمتی افراد کے انتخاب کی اہلیت سے عوام الناس باخبر ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہوتے بلکہ عوام الناس کی نظر الٰہی مقاصد کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کی اسیر یا انہی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

چنانچہ ایسے اہل حل وعقد یا اصحابِ شوریٰ کسی انتخاب یا اُمیدواری یا سیاسی مہم جوئی کے نتیجے میں منتخب نہیں ہوتے جیسا کہ خیر القرون اس قسم کے شور وشغب سے بالکل خالی نظر آتے ہیں بلکہ ان کا واحد طرۂ امتیاز ان کا عمل اور ماضی کا خدمت سے بھرپور شاندار ریکارڈ ہوتا ہے۔ ان کا ماضی ہی ان کے موزوں انتخاب کی اہلیت ٹھہرتا ہے، جو مستقبل میں ان کے متوقع ذمہ دارانہ کردار کی ضمانت ہوتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے امیر کے لئے آنکھ اور کان کا کردار ادا کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کا امیر جو دراصل اپنی حکومت کی بجائے اللہ کی شریعت نافذ کرنے کے لئے اس عہدے پر فائز ہوتا ہے، دیگر عہدیداروں کا تعین کرتا ہے۔ اسلامی ذخیرۂ علم سے ایسے بے شمار دلائل دیے جاسکتے ہیں جس میں مناصب پر تعیناتی کو جملہ مسلمانوں کے حق کی بجائے ان ذمہ داروں کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب چند لوگوں نے حضرت علیؓ کے پاس اکٹھے ہوکر ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپؓ نے فرمایا تھا کہ

''یہ معاملہ تمہارے فیصلہ کرنے کا نہیں، یہ تو اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جس کو وہ پسند

www.KitaboSunnat.com

کریں گے، وہی خلیفہ ہوگا۔شوریٰ تو صرف مہاجرین وانصار (سابقین) کیلئے ہے۔اگر اُنہوں نے کسی کو امام قرار دینے پر اتفاق کرلیا تو یہ اللہ اور پوری اُمت کی رضامندی کیلئے کافی ہے۔سو ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے پر غور کریں گے۔'' (الإمامة والسیاسة لابن قتیبة :۱/۴۱)

ایسے ہی جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کیا گیا تو اُنہوں نے وراثت میں ملی ہوئی اس امارت کو اہل حل وعقد کے سامنے پیش کردیا کہ تم جس کو چاہو خلیفہ بنالو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے۔اُن لوگوں نے آپ کے غیر معمولی کردار اور علم کی بنا پر آپ کی ہی خلافت پر اتفاق کا اظہار کیا۔ (بحوالہ محدث: اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۹)

ہمارے ہاں عوام الناس کے حق انتخاب کے لئے عموماً ووٹ اور بیعت کے تصور کو خوب گڈ مڈ کیا جاتا اور اس سے عوامی انتخاب پر استدلال کیا جاتا ہے۔ایسے لوگ ووٹ اور بیعت کو مترادف باور کراتے ہیں جب کہ ان دونوں کے طریقۂ کار، مقام وحیثیت اور مقصد ومطلب سے تھوڑی سی آشنائی رکھنے والا شخص بھی دونوں کو مترادف نہیں سمجھ سکتا، مثال کے طور پر

◉ اسلام میں کسی عہدے کا تعین ووٹ کی بجائے اہل شوریٰ یا ذمہ دار افراد کے ذریعے ہوتا ہے جس کی تصدیق وتصویب عامۃ المسلمین بیعت کے ذریعے کرتے ہیں۔جبکہ دوسری طرف جمہوریت میں ووٹ کا بنیادی وظیفہ ہی کسی فرد کو عہدے کے لئے منتخب کرنا ہوتا ہے۔

◉ ووٹ کے ذریعے ایک عام شخص اپنا حق حاکمیت استعمال کرتا ہے، جب کہ بیعت کے ذریعے ایک عام مسلمان اپنے امیر کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ووٹ عہدہ کے حصول سے پہلے ہوتا ہے اور بیعت عہدہ کے حصول کے بعد ہوتی ہے۔

◉ پھر موجودہ پارلیمانی جمہوریت میں ووٹ بنیادی نمائندگان کے انتخاب کے لئے ہوتا ہے، جبکہ بیعت صرف اور صرف خلیفۃ المسلمین کے لئے ہوتی ہے۔

◉ بیعت ایک مبارک شرعی تصور اور مسنون عمل ہے جس میں خلیفہ سے اطاعت کے بدلے جنت کا معاہدہ کیا جاتا ہے جبکہ ووٹ ایک خالصتاً مفاد پرستانہ دنیاوی تعلق ہے۔

اس امر سے انکار نہیں کہ اسلام اور جمہوریت میں چند ایک جزوی مماثلتیں پائی جاتی ہیں، لیکن ان مماثلتوں کا تناسب انتہائی محدود ہے۔مثلاً دوسرے سیاسی نظاموں کی بہ نسبت دونوں میں

www.KitaboSunnat.com

عوام پر جبر کی بجائے ان کی فلاح اور ان کی مشاورت کو ایک خاص وقعت حاصل ہے اور دونوں میں عوام کے اعتماد کا عنصر ملحوظ رکھا جاتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جمہوریت کی اسلام سے یہ چند مماثلتیں محض ظاہری ہیں۔ اگر باریک بینی سے عوامی نمائندگی، اعتماد اور قومی فلاح کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو اسلام میں ان کی روح کارفرما نظر آتی ہے جبکہ جمہوریت میں یہ محض نعرے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ البتہ جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے تو اسلام اور جمہوریت کے ہر ہر سیاسی تصور میں غیر معمولی حد تک فرق پایا جاتا ہے!

'اسلامی نظامِ سیاست' کا نفاذ کس طرح؟

اسلام کے سیاسی تصورات علم وتحقیق کا ایک طویل باب ہیں جو اپنے وسیع دائرۂ عمل کی طرح کافی گہرائی اور گیرائی کا حامل ہے۔ اس ضمن میں یہ سوال بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ نظام کس طرح مسلم ممالک میں نافذ ہوسکتا ہے، جب کہ عملاً اس وقت دنیا میں یہ نظام کہیں بھی زیرِعمل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر تو ملحوظ رہنا چاہئے کہ اسلام کا نظامِ خلافت نہ صرف کئی صدیاں قبل انسانیت کو سکون واطمینان اور ترقی وفلاح کی ایسی منازل سے متعارف کرا چکا ہے جس کی مثالیں دنیا کے کسی دوسرے نظام نے آج تک پیش نہیں کیں۔ دوسری طرف یہ نظام کسی نہ کسی شکل میں اُمتِ مسلمہ میں ۱۳ صدیاں زیرِعمل رہا ہے۔ یہ دونوں خصوصیات دنیا میں کسی دوسرے نظامِ سیاست کو حاصل نہیں ہیں۔ ان دو عملی خصوصیات کے بعد اس نظام کی افادیت اور کامیابی کے بارے میں سوال پیدا کرنا تو ایک نادانی اور حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ یوں بھی مسلمان ہونے کے ناطے اس نظامِ سیاست کے اعلیٰ واَمثل ہونے میں کوئی کلام کرنا ہمارے اعتقاد وایمان کے ہی خلاف ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی کمی ہے تو وہ ہم مسلمانوں کے طرزِ عمل میں ہے۔ چونکہ یہ ایک تفصیلی عملی موضوع ہے، اسلئے فی الحال ہم اس بحث کو آئندہ شماروں تک ملتوی کرتے ہیں، موجودہ بحث صرف تصور ونظریہ تک محدود ہے۔

پس چہ باید کرد؟

قوم کو درپیش انتخاب کے اس مرحلے میں ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں پہلے تو بصیرت پر مبنی ہمارا یہ موقف واضح رہنا چاہئے کہ جمہوریت ایک غیر اسلامی نظام ہے جو ہر ہر پہلو کے اعتبار سے اپنے مخصوص نظریات کا پرتو ہے۔ اسلام اور جمہوریت میں مشترک قدریں تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ کسی حیوان اور انسان میں

www.KitaboSunnat.com

اشتراک ڈھونڈا جائے، اگرچہ ان میں بھی کئی ظاہری مماثلتیں ضرور مل جاتی ہیں جبکہ دونوں کی حقیقت اور حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اسلام کا یہ سیاسی تصور بالکل واضح ہے کہ اس میں عوام الناس اپنے نمائندے ہرگز منتخب نہیں کرتے بلکہ مناصب کا تعین ولاۃِ امر کا حق ہے۔ لیکن چونکہ موجودہ نظامِ کفر میں اس ذمہ داری کی مسلمانوں کے ذمہ داران کی بجائے عوام الناس سے توقع رکھی جاتی ہے، اس لئے عوام کم از کم اہلیتِ شرعی کے اس وصف کو ضرور ملحوظ رکھیں جس کا تقاضا ولاۃ الامر سے شریعت مطہرہ نے کیا ہے۔ اگر وہ جمہوریت کے کفر ہونے کی بنا پر انتخاب کے عمل سے لاتعلق ہوجاتے ہیں تو اس کا نتیجہ نااہل افراد کے قوم کے سر پر مزید تسلط کی صورت میں نمودار ہوگا، جس رویہ کی مذمت اور مخالفت عالم اسلام کے کبار علما نے بھی کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

جمہوریت کے اُصولِ خمسہ میں حاکمیتِ عوام اور سیکولرزم کی طرح جماعت سازی کا فتنہ بھی مستقل اُصول کی شکل میں موجود ہے۔ لیکن اسلام میں جماعت بازی کے اس تصور کی بھی کوئی حمایت نہیں پائی جاتی جہاں حق کی تائید کی بجائے جماعتی موقف کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہو۔ اسلام تو ہمیں حق بات اور عدل وانصاف کی تائید کا پابند کرتا ہے، چاہے وہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یوں بھی جماعتی سیاست بازی کے نتائج قوم اچھی طرح بھگت چکی ہے جہاں کئی ایل ایف او جیسے معاملوں کو جماعتی مصلحت کے تابع پورا کرنا ضروری ٹھہرتا ہے اور ذاتی مفاد کی بنا پر اللہ کے قانون کی کھلے عام توہین کے باوجود جماعتی موقف کی بنا پر دین کے نام پر منتخب ہونے والے استعفوں سے دامن کش رہتے ہیں۔ اس جماعتی سیاست بازی کا ہی نتیجہ ہے کہ بعض طالع آزما سیاستدان اپنے وفادار ساتھیوں کو تو مختلف حلقوں کے ٹکٹ سے نواز دیتے ہیں جبکہ اہل افراد ان کی چاپلوسی نہ کرنے کی وجہ سے محروم ٹھہرتے ہیں۔

ان متعدد وجوہات کی بنا پر ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کی انفرادی اہلیت کی بنا پر یہ امانت☆ سپرد کی جائے جو اسلام کے تصورِ اہلیت کے قریب تر ہوں، چاہے ان کا

☆ مزید تفصیل کیلئے محدث میں شائع شدہ تفصیلی فتویٰ اور مضمون بعنوان: 'پارلیمنٹ کی رکنیت اور سرکاری عہدے' (جنوری ۱۹۹۷ء ص ۴۸ تا ۹۹) اور محدث بابت ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ء وغیرہ

www.KitaboSunnat.com

تعلق کسی بھی جماعت سے ہو۔ اگر اس بنا پر تمام اچھے اور اہل افراد اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو لازماً اس سے خیر کی فضا پیدا ہوگی۔ جماعتیں اَفراد سے ہی تشکیل پاتی ہیں اور اچھا فرد خوشبو کی طرح ہر جگہ کچھ نہ کچھ خیر کو پھیلانے کا سبب بن ہی جاتا ہے۔

یوں تو موقف مستقل دلائل اور بحث مباحثہ کا متقاضی ہے لیکن دورِ حاضر کے تین عظیم سلفی علما کا موقف ذکر کرکے مکمل بحث جو محدث میں شائع ہوچکی ہے، کی طرف اشارہ کرنا کافی ہوگا:

◉ شیخ ابن بازؒ نے 'اسمبلی کی رکنیت اور ووٹنگ کی شرعی حیثیت' پر فتوی دیتے ہوئے فرمایا:

''فرمانِ نبوی ہے: اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے، اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ پارلیمنٹ میں جانے کا مقصد اگر تائیدِ حق اور انکارِ باطل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کے ذریعے داعیانِ الی اللہ کے ساتھ وابستگی اور امدادِ حق ممکن ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ووٹنگ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جس سے نیک داعیوں کے انتخاب اور حق واہل حق کی تائید ہوتی ہے۔'' (معوقات تطبیق الشریعة از شیخ مناع القطان: ص ۱۶۶)

◉ شیخ محمد صالح عثیمینؒ سے بھی جب ایسا سوال پوچھا گیا تو اُنہوں نے فتویٰ دیا:

أدخلوها أتتركونها للعلمانيين والفسقة؟ ''اسمبلیوں میں پہنچنے کی کوشش کرو، کیا تم انہیں لادین اور فاسق لوگوں کے لئے چھوڑ دینا چاہتے ہو؟''

◉ الجزائر کے 'سالویشن فرنٹ' کے سوالات کے جواب میں شیخ ناصر الدین البانیؒ کا فتویٰ یہ تھا:

''میں نہیں سمجھتا کہ مسلم عوام کو ووٹنگ سے باز رہنا چاہئے جبکہ اُمیدواروں میں اسلام دشمن بھی ہوں اور مختلف جماعتوں سے تعلق رکھنے والے دین دار بھی۔ ایسی صورتحال میں ہر مسلمان کو میری نصیحت یہ ہے کہ وہ صرف دیندار لوگوں کو منتخب کرے جو صحیح راستے کے زیادہ قریب ہوں۔'' (عربی مجلّہ الإصالة، اُردن: شمارہ ۴ ص ۲۰)

ان علما کرام کے فتاویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ کم از کم دفعِ ضرر اور شر کے خاتمے کی ادنیٰ سی کوشش جاری رہنی چاہئے۔ بہر حال یہ دورِ اضطرار کے فتاویٰ ہیں، جن پر اکتفا کر لینے کی بجائے اصل نظام خلافت وامارت کی قیام کی کوششیں کرنا ہمارا ملی فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے سے عہدہ برا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ جب تک ہم اسلام کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں نافذ نہیں کرتے، خیر وفلاح کی اُمید اور توقع رکھنا عبث ہے! واللہ اعلم (حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

تاریخ قرآن
قسط نمبر۲

شیخ عبدالفتاح عبدالغنی القاضی
ترجمہ وتخریج: محمد اسلم صدیق☆

المصحف الشریف ... ایک تاریخی جائزہ

جمع وتدوینِ قرآن کے اَدوار

گذشتہ تصریحات سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ قرآنِ کریم کو تین مرتبہ جمع کیا گیا:

① نبی ﷺ کے دور میں

② حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں

③ حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں

لیکن ان تینوں اَدوار میں جمع قرآن کی نوعیت میں واضح فرق ہے۔ ذیل میں ہم فرق کی اس نوعیت کو واضح کریں گے:

عہدِ نبویؐ میں تدوین قرآن

عہدِ نبویؐ میں کتابتِ قرآن کی صورت یہ تھی کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ ﷺ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے، لیکن قرآنِ کریم کی یہ کتابت پتھر کی سلوں اور جانوروں کی ہڈیوں وغیرہ پر متفرق پارچوں کی شکل میں تھی، جیسا کہ اس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اگرچہ دورِ نبویؐ میں قرآنِ کریم کی حفاظت کا دارومدار حفظ پر تھا، لیکن اس کے باوجود اسے تحریر میں لانا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ نیز قرآنِ کریم صحابہ کرامؓ کے لئے ایک مقدس متاع کی حیثیت رکھتا تھا، لہٰذا اُنہوں نے انفرادی حیثیت سے بھی بطورِ یادگار اسے ضبطِ تحریر میں لانے کا اہتمام کیا، جیسا کہ عموماً نادر اور نایاب اشیا کی حفاظت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکرؓ کے دور میں تدوین قرآن

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ حکومت میں تدوین قرآن کی صورت یہ تھی کہ

① اسے مختلف پارچوں سے نقل کرکے ایک جگہ (کاغذ) پر یکجا کیا گیا۔

② یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا (سورتیں مرتب نہیں تھیں)۔ اور ہر سورت الگ الگ صحیفے میں لکھی گئی تھی۔

③ اور صرف وہی کچھ لکھا گیا جس کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہوا تھا۔ (اور وہ آیات اور حروف نکال دیے گئے جن کی تلاوت منسوخ ہوچکی تھی۔)

④ دورِ صدیقی میں قرآنِ کریم کے منتشر حصوں کو یکجا کرنے کا مقصد قرآن مجید کی حفاظت کو یقینی بنانا تھا، کیونکہ خدشہ تھا کہ کہیں حاملین قرآن اور حفاظ صحابہؓ کی وفات سے قرآنِ مجید کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوجائے۔ (نیز قرآنِ مجید کا ایک ایسا نسخہ تیار ہو جائے جس پر تمام اُمت کا اتفاق ہو۔)

حضرت عثمانؓ کے دور میں تدوین قرآن

دورِ عثمانیؓ میں تدوینِ قرآن کی صورت یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کے تیار کردہ صحیفوں سے نقل کرکے (تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں لکھا گیا اور پھر اس نئے مرتب مصحف سے مزید) مصاحف تیار کئے گئے اور اُنہیں مختلف بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیا گیا۔

ان مصاحف کی تدوین کا مقصد اُمتِ مسلمہ میں وحدت و یگانگت پیدا کرنا اور اس فتنہ کی سرکوبی تھا جو مسلمانوں کی صفوں میں قراءات کے اختلاف کی وجہ سے سر اُٹھا رہا تھا تاکہ مسلمانوں کو ان ثابت اور متواتر قراءات پر جمع کیا جا سکے تھا جن پر یہ مصاحفِ عثمانیہ مشتمل تھے، البتہ ان میں وہ وجوہِ قراءات شامل نہیں تھیں جو آغازِ اسلام میں آسانی کی خاطر نازل ہوئی تھیں پھر عرضۂ اخیرہ میں انہیں منسوخ کردیا گیا تھا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں:

"لم يقصد عثمان قصد أبي بكر في نفس جمع القرآن بين لوحين، وإنما قصد جمْعَهم على القراءات الثابتة المعروفة عن النبيﷺ وإلغاء ما ليس كذلك، وأخذهم بمصحف لا تقديم فيه ولاتأخير، ولا تأويل

www.KitaboSunnat.com

أثبت مع تنزيل ولا منسوخ تلاوته كتب مع مثبت رسمه ومفروض قراء ته ، وحفظه خشية دخول الفساد والشبهة على من يأتي بعده . "

''حضرت عثمانؓ کا مقصد حضرت ابوبکرؓ کی طرح صرف قرآن کریم کو دو گتوں کے درمیان جمع کرنا نہیں تھا، بلکہ مسلمانوں کو ان تمام قراءات پر جمع کرنا تھا جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت اور معروف تھیں۔ اور مقصد ایسی تمام قراءات کو خارج کرنا تھا جو آپ ﷺ سے ثابت اور معروف نہیں تھیں۔ ایک ایسا مصحف اُمت کے لئے پیش کرنا تھا جس میں کوئی کمی بیشی، نہ تقدیم وتاخیر اور نہ کوئی ایسی قراءت یا آیت شامل ہونے پائے جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی۔ اور اس انداز سے لکھا جائے کہ اس کے رسم الخط میں تمام قراءات محفوظ ہو جائیں۔ تاکہ بعد میں کسی خرابی یا شبہات کے راہ پانے کا امکان ختم ہو جائے۔ (الإتقان فی علوم القرآن: ۱/۶۹)

مصاحف کی تعداد، حالت، مختلف علاقوں کی طرف بھیجنے کی کیفیت پر مسلم علما کے مختلف موقف

مصاحف کی تعداد

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف تیار کروا کر مختلف علاقوں میں بھیجے تھے، اُن کی تعداد کے متعلق علما کے متعدد اقوال ہیں۔ جن میں صحیح ترین اور قرین قیاس قول یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چھ مصاحف تیار کروائے تھے: بصری مصحف، کوفی مصحف، شامی مصحف، مکی مصحف، ایک مدنی مصحف جو عام اہل مدینہ کے لئے تھا اور دوسرا مدنی مصحف جو حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس رکھا تھا جو 'مصحفِ امام' کے نام سے موسوم ہے۔

اس نام کی وجہ شاید یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلے یہی مصحف تیار کروایا تھا اور پھر اسی کو سامنے رکھ کر مصاحف کی مزید نقلیں تیار کی گئیں۔ اس اعتبار سے مصاحف عثمانیہ میں سے ہر مصحف کو بھی 'مصحفِ امام' کہا جاسکتا ہے کہ جہاں وہ مصحف بھیجا گیا، وہاں کے لوگوں نے اس کی اقتدا کی تھی۔

مصاحفِ عثمانیہ کی حالت

گذشتہ صفحات میں ان خصوصیات اور امتیازات کا تذکرہ کیا گیا تھا، جن پر یہ مصاحف

www.KitaboSunnat.com

عثمانیہ مشتمل تھے۔ اب زیرِنظر سطور میں یہ بتایا جائے گا کہ مصاحفِ عثمانیہ کس حالت میں تھے؟ کیا ان میں ساتوں حروف جمع تھے جن پر قرآن کریم نازل ہوا تھا یا ان کی تدوین صرف ایک حرف پر ہوئی تھی اور باقی کو حذف کردیا گیا تھا؟

یہ وہ سوال ہے جس کے متعلق علما کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے:

پہلا موقف: مصاحفِ عثمانیہؓ میں سات حروف میں سے صرف قبیلہ قریش کا ایک حرف باقی رکھا گیا اور باقی چھ حروف ختم کردیئے گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ (اصل میں قرآنِ کریم حرفِ قریش پر نازل کیا گیا تھا اور باقی) چھ حرف ابتدائے اسلام میں اُمت کی آسانی اور ان سے مشقت دور کرنے کے لئے نازل کئے گئے تھے، کیونکہ آغازِ اسلام میں ہی تمام عرب قبائل (جن کے لہجات باہم مختلف تھے) کو ایک ایسی لغت کا پابند کردینا جس کی ان کی زبانیں عادی نہیں تھیں، ان کے لئے کافی دقت اور مشقت کا باعث بن سکتا تھا۔ بعد میں (جب تمام قبائلِ عرب، لغتِ قریش سے مانوس ہوگئے تو) ان لغات اور حروف کی ضرورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ سات حروف اُمتِ مسلمہ کے درمیان افتراق و انتشار کا باعث بن رہے ہیں تو اُنہوں نے مصاحف میں کتابت شدہ ان حروف اور لغات میں سے صرف ایک لغت پر اکتفا کرنے کا حکم دیا کیونکہ قرآنِ کریم اصل میں اسی لغت پر نازل ہوا تھا۔ اور باقی حروف ابتدائے اسلام میں آسانی کے پیشِ نظر نازل ہوئے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے جمع قرآن پر مامور کمیٹی کو یہ ہدایت کردی:

إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فإنما نَـزَل بلسانهم (صحیح بخاری:۳۵۰۶)

''جب قرآن کے کسی حصے میں تمہارا زید بن ثابت سے اختلاف ہوجائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا، کیونکہ یہ ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔''

☆ان آیات واحادیث کے مطالعے کے لئے دیکھئے **'اسلامی سیاست'** از مولانا گوہر رحمٰن: ص ۲۲۰ تا ۲۶۷ اور جمہوری تصورِ حاکمیت کے لئے: **'اسلام کا طرزِ حکومت'**: محدث، جون ۲۰۰۰ء، ص ۴۸ تا ۵۵ جبکہ دونوں کے تقابلی مطالعہ کے لئے: **خلافت وجمہوریت** از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: ص ۲۲۵ تا ۲۳۰

www.KitaboSunnat.com

دوسرا موقف: جمہور علماے سلف وخلف کا ہے جو کہتے ہیں کہ مصاحفِ عثمانیہ سات حروف کی ان تمام جزئیات پر مشتمل تھے جن کا رسم عثمانی متحمل ہوسکتا تھا اور ان میں وہ تمام قراءات موجود تھیں جو عرضۂ اخیرہ (رسول اللہ ﷺ کے جبرائیلؑ کے ساتھ آخری دَورِ قرآن) میں باقی رکھی گئی تھیں۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مصاحفِ عثمانیہ کا رسم نقطوں اور اِعراب سے خالی تھا تاکہ ان میں ساتوں حروف سما سکیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ہر مصحف میں ساتوں حروف کی تمام تر جزئیات جمع تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مصحف حروفِ سبعہ کی ان تمام جزئیات پر مشتمل تھا جو اس کے رسم میں سما سکتی تھیں۔ باقی رہیں حروف سبعہ کی وہ جزئیات جو ایک رسم کے تحت نہ آسکیں، اُنہیں ان چھ مصاحف میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ مثلاً ﴿وَوَصّٰی﴾ کی قراءت مدنی اور شامی مصحف میں موجود نہیں ہے، لیکن باقی چاروں مصاحف میں موجود ہے۔ اسی طرح سورۂ توبہ کے آخر میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا﴾ صرف مکی مصحف میں موجود ہے، باقی میں ﴿تَجْرِیْ تَحْتَهَا﴾ ہے۔ اسی طرح کچھ اور قراءات بھی ہیں جو ایک رسم میں سما نہ سکنے کی وجہ سے بعض مصاحفِ عثمانی میں موجود ہیں، بعض میں نہیں ہیں۔ جبکہ ﴿فَتَبَیَّنُوْا﴾ ﴿هَیْتَ لَكَ﴾ اور ﴿اُفٍّ﴾ جیسے الفاظ کا رسم چونکہ تمام قراءات متواترہ کا متحمل ہے، لہٰذا اُنہیں لفظوں اور اعراب سے خالی رکھ کر تمام مصاحف میں جگہ دی گئی۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آپ مجموعی طور پر تمام مصاحفِ عثمانیہ کو پیش نظر رکھیں تو آپ اُنہیں سبعہ احرف پر مشتمل پائیں گے اور یہی وہ صحیح مذہب ہے جس پر دل مطمئن ہوتا اور نظر ٹھہرتی ہے اور جس کی پشت پر قوی دلائل موجود ہیں۔

ذیل میں ہم ان دلائل کا تذکرہ کریں گے :

① مصاحفِ عثمانیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحیفوں کو سامنے رکھ کر تیار کئے گئے تھے اور علما کا اس بات پر اِجماع ہے کہ صدیقی صحیفوں میں سبعہ اَحرف کی وہ تمام جزئیات موجود تھیں جو

☆ حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن عباسؓ، زیدؓ بن اسلم، شہرؒ بن حوشب اور مکحولؒ نے کہا کہ یہ آیت اُمرا اور حکام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر ابن جریر: ۱۴۵/۵، ابن کثیر ۳۲۱/۲، قرطبی: ۲۵۶/۵..... مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: 'محدث' بابت ۱۹۷۹ء کا خاص نمبر 'جمہوریت یا اسلام' ص ۴۵

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت تھیں اور ان میں صرف وہی قراءات اور آیات درج تھیں جو عرضۂ اخیرہ کے وقت باقی رکھی گئی تھیں اور ان کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی اور یہی صدیقی صحیفے ہی درحقیقت مصاحفِ عثمانیہ کی بنیاد اور مصدر تھے جن کو سامنے رکھ کر مصحفِ عثمانیہ کو مدوّن کیا گیا تھا۔

② اس کے برعکس کسی ایک صحیح یا ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کاتبینِ قرآن کو یہ حکم دیا ہو کہ وہ صرف ایک حرف پر اکتفا کریں اور باقی چھ حروف کو ترک کردیں۔

③ کوئی بھی مسلمان جو صحابہ کرامؓ کے دین میں رسوخ اور کتاب اللہ کے ساتھ ان کی والہانہ محبت اور قرآنِ کریم کو دنیوی و اُخروی سعادتوں کا محور سمجھنے کے عقیدہ سے واقف ہے، کبھی یہ تصور نہیں کرسکتا کہ اس وقت موجود ۱۲ ہزار سے زائد صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کی اِن 'حروف' کے ختم کرنے پر تائید کی ہو جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ دورِ عثمانؓ میں جمع قرآن کے محرکات جو کچھ بھی تھے، لیکن اُمتِ مسلمہ کو متحد کرنے اور اُنہیں اختلاف سے بچانے کے لئے حضرت عثمان قرآنِ کریم میں سے کوئی چیز حذف نہیں کرسکتے تھے اور نہ ہی اُنہوں نے کی۔ بلکہ اس صورتِ حال میں اُنہیں یہی کرنا چاہئے تھا کہ حروفِ سبعہ میں سے جو کچھ عرضۂ اخیرہ کے مطابق تواتر سے ثابت ہے، اس کے لحاظ سے قرآنِ کریم کو لکھنے کا حکم دیتے۔ اور اُمت کو اس تواتر پر قائم رکھتے اور اُنہیں بتاتے کہ ان کے علاوہ دیگر قراءات شاذ ہیں جو شروع میں آسانی کی خاطر نازل ہوئی تھیں اور عرضۂ اخیرہ کے وقت اُنہیں منسوخ کردیا گیا تھا، لہٰذا اب نہ اُن کی قراءت جائز ہے اور نہ ہی اُنہیں قرآن سمجھنا درست ہے۔ یہی وہ صحیح طریقہ تھا فتنہ کی بیخ کنی، اُمتِ مسلمہ کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور نزاع کو ختم کرنے کا اور اسی طریقہ کو ہی حضرت عثمانؓ نے اختیار کیا تھا اور اسی پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے ان کی موافقت اور تائید کی تھی۔

☆ اس فرمانِ نبویؐ میں قیامت کے انتظار سے مراد یا تو اجتماعی ہلاکت و بربادی ہے، یا انفرادی موت یا عذاب جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں الساعة کے یہی تین معانی بیان کئے ہیں۔ (۱/۵۱۳ مترجم)

www.KitaboSunnat.com

④ اوّل الذکر رائے کے حاملین کا یہ دعویٰ کہ حضرت عثمانؓ نے کاتبینِ قرآن کو صرف لغت قریش باقی رکھنے اور دیگر لغات کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا، اگر صحیح ہوتا تو اس کا لازمی تقاضا تھا کہ قرآنِ کریم قریش کے سوا دیگر لغات سے خالی ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قرآنِ کریم میں لغتِ قریش کے سوا دیگر لغات کے بھی بے شمار کلمات موجود ہیں۔ قرآنِ کریم میں ان کلمات کا وجود اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ مصاحفِ عثمانیہ میں صرف لغتِ قریش پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حروفِ سبعہ کی وہ تمام جزئیات اُن میں موجود ہیں جو تواتر سے ثابت اور عرضۂ اخیرہ کے وقت برقرار رکھی گئی تھیں۔

ذیل میں دیگر قبائل عرب کی لغات کے بعض کلمات کا بطورِ مثال تذکرہ کیا جاتا ہے:

* ابوعبید سے روایت ہے کہ حسن بصریؒ نے ہم سے کہا کہ ہمیں ﴿اَلْاَرَائِكِ﴾ کا معنی معلوم نہیں تھا، یہاں تک کہ یمن کے ایک آدمی سے ہماری ملاقات ہوئی، اُس نے ہمیں بتایا کہ ہمارے ہاں الأریکۃ کا لفظ مسہری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

* فرمانِ الٰہی ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾ کے بارے میں امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد یہ ہے کہ پناہ کے لئے اس دن کوئی پہاڑ نہیں ہوگا۔ اور یہ یمن کے قبیلہ 'حمیر' کی لغت میں ہے۔''

* اور ابوبکر انباریؒ نے ﴿اَفَلَمْ يَيْاَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے متعلق عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اس سے مراد اَفَلَمْ يَعْلَمُوْا ہے اور یہ قبیلہ ہوازن کی زبان کا لفظ ہے۔''

* اسی طرح ﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ کا معنی لا ینقصکم بیان ہوا ہے اور یہ قبیلہ عَبَس کی زبان کا لفظ ہے۔

⑤ نیز واضح دلائل سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مصاحفِ عثمانیہ کا باہم متعدد مقامات میں اختلاف تھا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَوَصّٰى بِهَا اِبْرٰهِيْمُ﴾ (البقرۃ: ۱۳۲) بعض مصاحف میں تو ﴿وَوَصّٰى﴾ واو ین کے ساتھ ہے اور بعض مصاحف میں پہلی اور دوسری واؤ کے درمیان الف کے اضافہ سے ﴿وَاَوْصٰى﴾ ہے۔

* اسی طرح ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (آلِ عمران: ۱۳۳) بعض مصاحف میں سین سے پہلے واؤ کے بغیر ﴿سَارِعُوْا﴾ ہے اور بعض میں واؤ کے حرف کے ساتھ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَسَارِعُوْا﴾ ہے۔

٭ اسی طرح فرمانِ الٰہی ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ﴾ (الشعراء: ۲۱۷) بعض مصاحف میں واؤ کے ساتھ ﴿وَتَوَكَّلْ﴾ ہے اور بعض مصاحف میں 'ف' کے ساتھ ﴿فَتَوَكَّلْ﴾ ہے۔

٭ اسی طرح اللہ کا فرمان ﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْأَنْفُسُ﴾ (الزخرف:۷۱) بعض مصاحف میں ہاء کے ساتھ ﴿تَشْتَهِيْهِ﴾ سے اور بعض مصاحف میں بغیر ہاء کے ﴿تَشْتَهِيْ﴾ ہے۔

٭ اور فرمانِ الٰہی ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (الحدید:۲۴) بعض مصاحف میں هُوَ کے ساتھ ﴿هُوَ الْغَنِيُّ﴾ ہے اور بعض میں هُوَ کے حذف کے ساتھ ہے، اسی طرح کی اور کئی مثالیں بھی موجود ہیں۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ اگر مصاحفِ عثمانیہ ایک ہی لغت یعنی لغتِ قریش میں لکھے گئے ہوتے تو پھر اس اختلاف کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی حرف کو ختم نہیں کیا تھا۔

اعتراض: یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصحف کو مرتب کرنے والی جماعت کے تینوں قریشی اَراکین سے یہ فرمایا تھا:

"إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فإنما نزل بلسانهم" (صحیح بخاری:۳۵۰۴)

''جب تمہارا زید بن ثابتؓ سے قرآنِ کریم کے کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہوجائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا، کیونکہ قرآن اُن کی زبان میں نازل ہوا ہے۔''

اور اس فرمان پر عمل بھی ہوا۔ اگر حضرت عثمانؓ نے ساتوں حروف باقی رکھے تھے تو ان کے اس فرمان کا کیا مطلب سمجھا جائے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس فرمان کا یہ مطلب سمجھنا کہ اُنہوں نے چھ حروف کو ختم کر کے صرف حرفِ قریش کو باقی رکھا تھا، سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ارشاد سے ان کا مطلب یہ تھا کہ قرآنِ کریم کی کتابت کے دوران اگر کہیں رسم الخط کے

www.KitaboSunnat.com

طریقے میں کوئی اختلاف ہو جائے تو قریش کے رسم الخط کو اختیار کیا جائے۔ تمام روایات کے مجموعی تناظر میں دیکھتے ہوئے یہی بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے اور اس سے تمام دلائل کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کتابتِ قرآن کے دوران صحابہ کرامؓ کی جماعت کے درمیان صرف ایک اختلاف پیش آیا۔ اور وہ اختلاف یہ تھا کہ قرآن کی آیت ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ میں لفظ التابوت کو کس انداز سے لکھا جائے، آیا لمبی تا کے ساتھ التابوت لکھا جائے یا گول تا☆ کے ساتھ التابوۃ لکھا جائے۔ یہ معاملہ جب حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا تو اُنہوں نے فرمایا: ''اسے التابوت لکھو، کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔''

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جس اختلاف کا ذکر فرمایا تھا، اس سے مراد محض رسم الخط کا اختلاف تھا کہ جملہ قراءات کے سلسلے میں قریشی رسم الخط کو ترجیح حاصل ہے۔

مصاحفِ عثمانیہ مختلف علاقوں میں کیسے بھیجے گئے؟

قرآنِ کریم کو نقل کرنے کا زیادہ تر انحصار ہمیشہ تلقی اور سماع پر رہا ہے کہ خلف نے سلف سے، ثقہ نے ثقہ سے اور امام نے امام سے سن کر آگے بیان کر دیا یہاں تک کہ یہ سلسلہ دورِ رسالتؐ تک جا پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف کی اشاعت اور اُنہیں مختلف علاقوں میں بھیجنے کا پروگرام بنایا تو اُنہوں نے صرف مصاحف بھیجنے پر اکتفا نہیں کیا کہ صرف وہی تنہا مرجع بن کر رہ جائیں بلکہ ہر مصحف کے ساتھ اسے پڑھانے کے لئے حفظ وعدالت میں ثقہ و ماہر فن قاری بھی بھیجا جس کی قراءت غالب طور پر اُس مصحف کے مطابق تھی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ کو مدنی مصحف پڑھانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن سائب کو مکی مصحف کے ساتھ بھیجا۔ مغیرہ بن شہابؓ کو شامی مصحف کے ساتھ بھیجا، ابوعبدالرحمٰن سلمی کو کوفی مصحف کے ساتھ بھیجا اور عامر بن عبدالقیسؒ کو بصری مصحف کے ساتھ روانہ کیا۔

اس کے بعد تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ سے سن کر قرآنِ کریم کو اگلی نسل تک منتقل کیا۔ ہر علاقے کے تابعین نے اپنے مصحف کے مطابق قراءت کی، جیسا کہ اُنہوں نے صحابہ کرامؓ سے سنی تھی۔ ایسے ہی صحابہ کرامؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن کر قرآنِ کریم کو حاصل کیا

www.KitaboSunnat.com

تھا۔صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد ایک جماعت نے اپنے آپ کو قرآنِ کریم کی تعلیم کے لئے وقف کرلیا یہاں تک کہ وہ فن قراءت کے امام بن گئے اور اس فن میں ان کی اقتدا اور ان سے اخذ علم کیا جانے لگا۔اور ہر امام کے اہل علاقہ اس بات پر متفق ہوگئے کہ صرف اِنہی ائمہ سے قراءت لی جائے گی اور ان کی روایت پر اعتماد کیا جائے گا۔اور یہیں سے قراءت کا یہ علم ہمیشہ کے لئے ان ائمہ فن کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔اور تمام اُمت اس بات پر متفق ہوگئی کہ جو کچھ ان مصاحف میں ہے، وہ قرآن ہے اور ان کے علاوہ کسی بھی طرح کی کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اس کا قرآن ہونا اُمت کے نزدیک تواتر سے ثابت نہیں ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ پوری اُمت کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتی!

ان مصاحف کے متعلق مسلمانوں کا موقف

حضرت عثمانؓ نے جب عرضۂ اخیرہ کے مطابق قرآنِ کریم کے مصاحف تیار کرنے کا فیصلہ کیا تو تمام صحابہ کرامؓ نے ان کے موقف کی حمایت کی اور ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے انفرادی صحیفے اور مصاحف نذرِ آتش کر دیئے اور مصاحفِ عثمانیہ پر متفق ہوگئے۔شروع میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ اعتراض تھا کہ جمع قرآن کے سلسلہ میں زید بن ثابتؓ کو مجھ پر ترجیح کیوں دی گئی ہے؟لیکن بعد میں جب ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ زید بن ثابتؓ ہی اپنی بعض ممتاز خصوصیات کی وجہ سے اس کام کے لئے زیادہ موزوں تھے،تو اُنہوں نے اپنے موقف سے رجوع اور حضرت عثمانؓ کے اس کارنامے کا اعتراف کرلیا۔اور بالآخر صحابہ کرامؓ کا اس معاملہ پر اجماع ہوگیا۔چنانچہ ابن ابی داؤد نے حضرت علیؓ سے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا:

لاتقولوا في عثمان إلا خيرا، فوالله ما فعل الذي فعل في المصاحف إلا عن ملأ منا، قال: ما تقولون في هذه القراءة؟ فقد بلغني أن بعضهم يقول: إن قراء تي خير من قراء تك، وهذا يكاد يكون كفرًا، قلنا: فما ترٰى؟ قال: أرٰى أن نجمع الناس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف، قلنا: فنعم ما رأيت (فتح الباری:۹/۱۸)

www.KitaboSunnat.com

''حضرت عثمانؓ کے متعلق سوائے بھلائی کی بات کے، کچھ نہ کہو۔ اللہ کی قسم! اُنہوں نے جو کچھ کیا، ہمارے مشورے سے کیا۔ اُنہوں نے ہم سے پوچھا تھا: ان قراءات کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کیونکہ مجھے اطلاعات مل رہی ہیں کہ کچھ لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ یہ بات کفر تک پہنچا سکتی ہے۔ ہم نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ پھر کوئی افتراق اور اختلاف نہ ہو۔ ہم نے کہا: آپ کی رائے بہت شاندار ہے۔''

نیز حضرت علیؓ نے فرمایا تھا:

لو كنت الوالي وقت عثمان لفعلتُ في المصاحف مثل الذي فعل عثمان (تفسیر قرطبی: ۱/۵۴)

''اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ پر میں حکمران ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا ہے۔''

اور جن علاقوں میں یہ مصاحف بھیجے گئے تھے، وہاں کے باشندوں نے ان مصاحف کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان مصاحف کو ان کے ہاں اعلیٰ مقام اور مقدس حیثیت حاصل ہوگئی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان مصاحف کی تدوین کسی فردِ واحد کی کارروائی نہیں ہے، بلکہ ان کی پشت پر تمام اصحابِ رسولؐ کا اِجماع موجود ہے، جنہیں دربارِ رسالتؐ سے مدح وتوصیف کا وہ پروانہ عطا ہوا ہے جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا تھا:

«عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسَّكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ » (سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷)

''میری اور ہدایت یافتہ خلفاے راشدین کی سنت کو تھام کر رکھنا، اور داڑھوں کی پوری قوت سے اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا۔''

اور فرمایا: «أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتهم اهتديتم »

''میرے صحابہؓ آسمان کے درخشندہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے، راہ یاب ہوجاؤ گے۔'' (تلخيص الحبير: ۲۵۹۴ 'ضعیف')

اور فرمایا: «اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر »

☆ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: 'اسلام اور جمہوریت میں تصورِ نمائندگی': محدث اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۲ تا ۱۰

www.KitaboSunnat.com

''میرے بعد ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی اقتدا کرنا'' (سنن ترمذی:۳۶۶۲ 'صحیح')

چنانچہ اُمت نے اس شاندار موقف کو حرزِ جان بنایا، اسے دل و جان سے قبول کرلیا اور یہی ان کا تنہا ماخذ ومصدر تھا، جہاں سے وہ اپنے فیصلے کرواتے تھے۔

دورِ صحابہؓ کے مشہور مصاحف

صحابہ کرامؓ کے دور میں مصاحفِ عثمانیہ کے علاوہ کئی اور مصاحف بھی مشہور ہوئے، لیکن اُنہیں وہ مقام حاصل نہ ہوسکا جو مصاحفِ عثمانیہ کو حاصل ہوا، کیونکہ مصاحفِ عثمانیہ کیسب مشمولات اور قراءات کے پیچھے تمام صحابہؓ کا اجماع اور اتفاقِ رائے موجود تھا۔ لہٰذا تمام بلادِ اسلامیہ میں صرف مصاحفِ عثمانیہ کو ہی قبول عام حاصل ہوسکا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دیگر تمام مصاحف انفرادی نوعیت کے تھے جنہیں بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے طور پر تحریر کیا تھا۔ ان میں عرضۂ اَخیرہ کے ساتھ مطابقت کا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ ان میں شاذ قراءات، منسوخ آیات اور قرآنی الفاظ کے ساتھ صحابہؓ کے تفسیری اَقوال بھی شامل تھے جس کی وجہ سے لازماً یہ مصاحف، مصاحفِ عثمانیہ سے مختلف تھے۔ بعض میں اضافہ جات تھے تو بعض میں کمی اور ان کی ترتیب بھی مصاحفِ عثمانیہ سے مختلف تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر خود صحابہ کرامؓ نے ہی اپنے اجماع سے مصاحفِ عثمانیہ کے سوا دیگر تمام مصاحف کی قرآنی حیثیت کو کالعدم قرار دے دیا۔

بطورِ نمونہ ان مصاحف میں سے بعض مثالوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

① مصحفِ عمر بن خطابؓ

✳ اس میں سورۂ فاتحہ کی آیت نمبر ۷ یوں تحریر تھی:

☆ اسلام میں عوام کی رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کا کردار انفعالی ہے، وہ منصب کی نشاندہی کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن صاحبِ منصب ان کا اعتماد یافتہ ضرور ہوتا ہے جسے ولاۃ الامر اہلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے متعین کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ متعین کرتے ہوئے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رائے عامہ کو پیش نظر رکھا تھا: إني قد نظرت في أمر الناس فلم أرهم يعدلون بعثمان (بخاری:۶۶۶۷) خلفاے اربعہ میں سے کسی کا انتخاب جملہ عوام نے براہِ راست نہیں کیا لیکن وہ سب اُمت کے اعتماد یافتہ تھے۔

www.KitaboSunnat.com

سراط من أنعمت عليهم * غير المغضوب عليهم وغير الضالين

✳ سورۃ آلِ عمران کی پہلی آیت اس طرح لکھی ہوئی تھی:

آلم الله لا إله إلا هو الحيّ القيام

✳ اور سورۂ مدثر کی آیات ۴۰، ۴۱ اور ۴۲ اس طرح تحریر تھیں:

في جنات يتساء لون * يا فلان * ما سلك في سقر

② مصحفِ علی بن ابی طالبؓ

✳ اس میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۵ کا ابتدائی حصہ اس طرح تھا:

آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه وآمن المؤمنون

③ مصحفِ عائشہ اُمّ المؤمنینؓ

✳ اس میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۸ یوں تھی:

حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى وصلاة العصر

اور ایک روایت میں واؤ کے بغیر صرف صلاة العصر ہے۔

✳ اور سورۃ احزاب کی آیت ۵۶ کا ابتدائی حصہ اس طرح تھا:

إن الله و ملائكته يصلون على النبي * والذين يصلون في الصفوف الأولىٰ

④ مصحفِ حضرت حفصہ اُمّ المؤمنینؓ

✳ اس میں بھی سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۸ و صلاة العصر کے اضافہ کے ساتھ یوں تھی:

حافظ على الصلوات والصلاة الوسطى وصلاة العصر

⑤ مصحف حضرت اُمّ سلمہ اُمّ المؤمنینؓ

ان کا مصحف بھی حضرت حفصہؓ کے مصحف کے مطابق تھا۔

☆ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان کو اشارتاً ان کی امارت کے متعلق یہ ہدایت فرمائی تھی کہ «يا عثمان! إنه لعل الله يقمصك قميصًا فإن أرادوك على خلعه فلا تخلعه» (سنن ترمذی: ۳۷۰۵) ''عثمان! عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے خلعتِ (امارت) پہنائیں گے، لوگ تجھ سے اس کے اُتارنے کا مطالبہ کریں گے، لیکن تو اسے مت اُتارنا۔''

www.KitaboSunnat.com

⑥ مصحفِ عبداللہ بن زبیرؓ

✳ اس میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۸ کا ابتدائی حصہ اس طرح تھا:

لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج

✳ اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۲ کا آخری حصہ یوں تھا:

فیصبح الفساق علی ما أسروا فی أنفسهم نٰدمین

✳ اور سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۰۴ یوں تھی:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر ویستعینون باللہ علی ما أصابهم

⑦ مصحف اُبی بن کعبؓ

✳ اس میں سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ یوں تحریر تھی:

فلا جناح علیه ألا یطوف بهما

✳ نیز اس میں ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ﴾ کی بجائے للذین یقسمون من نساء هم تھا۔

✳ اس میں سورۃ النساء کی آیت ۲۴ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ﴾ کے بعد إلی أجل مسمی کا اضافہ بھی تھا۔

✳ اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۸۹ میں ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾ کے بعد متتابعات کے الفاظ بھی موجود تھے۔

⑧ مصحفِ عبداللہ بن عباسؓ

✳ اس میں بھی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۸ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ یوں تحریر تھی: فلا جناح علیه اَلا یطوف بهما

✳ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۸ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ کے بعد فی مواسم الحج کے الفاظ بھی موجود تھے۔

☆ تفصیل کے لئے دیکھئے: مقالہ 'نفاذِ دین کے لئے چند شرائط' مقالاتِ اصلاحی: ج ۱ ص ۲۵۳ تا ۲۵۸

www.KitaboSunnat.com

٭ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۷۵ ﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾ کی بجائے إنما ذلكم الشيطان يخو فكم أولياءه لکھا ہوا تھا۔

٭ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۶ ﴿وَ أَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ کی بجائے یوں تھا: وأقيموا الحج والعمرة للبيت

٭ اور سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۵۹ میں ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کی بجائے وشاورهم في بعض الامر لکھا ہوا تھا۔

٭ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۷ میں ﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ کی بجائے وإن عزموا السراح لکھا ہوا تھا۔

٭ اور اس میں سورۃ الحج کی آیت ۵۲ میں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَّلَانَبِيٍّ﴾ کے بعد ولا محدث کے الفاظ بھی رقم تھے۔

٭ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۷ ﴿كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ یوں لکھی ہوئی تھی: كانك حفي بها

٭ اور سورۃ آلِ عمران کی آیت ۷ ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾ یوں لکھی ہوئی تھی: وما يعلم تأويله إلا الله ويقول الراسخون في العلم آمنا به

٭ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۷ یوں لکھی ہوئی تھی: فإن آمنوا بما آمنتم به فقد اهتدوا

٭ اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۸ و صلاة العصر کے اضافہ کے ساتھ یوں تھی:

حافظ على الصلوات والصلاة الوسطى وصلاة العصر

٭ اور سورۃ النساء کی آیت ۲۴ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ کے بعد إلى أجل مسمى کا اضافہ بھی تھا۔

٭ سورۃ النساء کی آیت ۱۶۰ ﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ میں ﴿أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ کی بجائے كانت لهم کے الفاظ تھے۔

٭ اور سورۃ النصر کی پہلی آیت یوں لکھی ہوئی تھی: إذا جاء فتح الله والنصر

⑨ مصحفِ عبداللہ بن مسعودؓ

www.KitaboSunnat.com

* اس میں سورۃ البقرہ کی آیت ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ کو اهبطوا مصر بغیر الف لکھا ہوا تھا۔
* اور ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا﴾ میں ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا﴾ کی بجائے یقولان ربنا لکھا ہوا تھا۔
* اور سورۃ آلِ عمران میں ﴿اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ کی جگہ الحی القیام اور ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ کی جگہ ان حقیقة تأویله إلا عند الله اور ﴿نَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ﴾ (آلِ عمران ۳۹) کی جگہ ناداه الملائكة یا زکریا ان الله
* اور ﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ کی بجائے یا مریم اقنتی لربك واركعی واسجدی مع الساجدین اور ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ﴾ کی بجائے إذ قالت الملائكة إن الله لیبشرك لکھا ہوا تھا۔
* سورۃ النساء میں ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ کی جگہ مثقال نملة کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ المائدۃ میں ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ کی جگہ إن تعذبهم فعبادك کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الانعام میں ﴿كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطَانُ﴾ کی بجائے کالذی استهواه الشیطان کے الفاظ تھے۔ اور ﴿لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ کے بجائے لقد تقطع ما بینکم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الاعراف میں ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا﴾ کی جگہ قالوا ربنا اَلا تغفرلنا و ترحمنا کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الانفال میں ولا یحسب الذین کفروا سبقوا
* اور سورۃ التوبہ میں قل أذن خیر ورحمة لکم
* اور سورۃ یونس میں حتی إذا کنتم فی الفلك وجرین بکم
* اور سورۃ ہود میں وأتانی رحمة من عنده وعمیت علیکم اور فأسر بأهلك بقطع من اللیل إلا امرأتك کے الفاظ تھے۔

www.KitaboSunnat.com

* اور سورۃ الرعد میں وسیعلم الکفرون لمن عقبی الدار کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ النحل میں الذین توفھم الملائکۃ کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الاسراء میں سبحت له الارض وسبحت له السموات کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الکہف میں لکن ھو اللہ ربی کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ مریم میں ذلك عیسی بن مریم قال الحق الذی فیه یمترون اور وتکاد السموات لتتصدع منه کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ طہٰ میں قد نجیتکم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الحج میں أذن للذین قاتلوا بأنھم ظلموا کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ النور میں انزلنٰھا وفرضنٰھا لکم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الفرقان میں ھوالذی أرسل الریاح مبشرات کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الشعراء میں واتبعوھم مسرقین کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ النمل میں فیمکث غیر بعید کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ القصص میں وعمیت علیھم الأنباء کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ السجدۃ میں فلا تعلم نفس ما یخفی لھم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ سبا میں یقذف بالحق وھوعلام الغیوب کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ یٰس میں فی شغل فکھین اور علی الأرائك متکئین اور وسلاما قولا من رب الرحیم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الزخرف میں ما شھد خلقھم اور وانه علیم للساعۃ کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ الحجرات میں لتعارفوا وخیارکم عند اللہ أتقاکم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ القمر میں خاشعۃ أبصارھم کے الفاظ تھے۔
* اور سورۃ نوح میں ولا یغوثا ویعوقا دونوں الفاظ تنوین کے ساتھ تھے۔☆

www.KitaboSunnat.com

تاریخ وسیر

حافظ محمد اسماعیل روپڑیؒ

شہیدِ کربلا سیدنا حسینؓ کی قربانی

مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑیؒ کے بڑے بھائی حافظ محمد اسماعیل روپڑیؒ ..... اللہ اُن پر اپنی کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے..... ماضی قریب کے عظیم دینی رہنما اور بے مثل خطیب ہوگزرے ہیں۔قیامِ پاکستان کے بعد کے دوعشرے سرزمین وطن کے گوشے گوشے میں آپ نے توحید وسنت کے پیغام کو پہنچانے میں دیوانہ وار صرف کئے بالخصوص لاہور، شیخوپورہ، سرگودھا اور کراچی کی بیسیوں مساجد آپ کی حسناتِ باقیات میں سے ہیں جو آپ کے لئے عظیم توشۂ آخرت ہیں۔اسی طرح دورِ حاضر کے متعدد نامور اہل علم نے آپ کی مخلصانہ دعوت وتربیت کے نتیجے میں اس مقدس نبویؐ مشن کے راہی بننے کی سعادت حاصل کی۔

آپ کی زیرنظر تحریر قارئین 'محدث' کے لئے ایک نادر و نایاب تحفہ ہے جو ۱۹۵۰ء کے بعد پہلی مرتبہ مکمل صورت میں شائع ہورہی ہے۔حکیم یحییٰ عزیز ڈاہروی نے اپنے ذاتی ریکارڈ سے اس قدیم تحریر کو ہمارے لئے میسر کیا ہے۔تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعہ پر آپ کی یہ مایہ ناز تحقیق جہاں علم وجستجو کی ایک درخشندہ مثال ہے، وہاں ذاتِ نبویؐ اور اہل بیتِ عظامؓ سے والہانہ محبت کا ایک دردمندانہ اظہار بھی ہے۔یہ تحریر اس اہم ترین واقعہ پر ایک معتدلانہ اور محققانہ موقف کی آئینہ دار ہے!

اس تحریر کے مرتب حافظ روپڑی مرحوم، مدیر اعلیٰ 'محدث' کے قریبی رشتہ دار ہونے کے ساتھ خاص مربی بھی تھے۔اس اعتبار سے محدث کی ۴۰ سالہ خدمات میں بھی ان کا ایک حصہ موجود ہے اور ان کی اس تحریر کی اشاعت ہمارے لئے سعادت کا درجہ رکھتی ہے۔حافظ موصوف کے اکلوتے فرزند حافظ ایوب اسمٰعیل بھی اپنے والد کے مخلصانہ جذبۂ ایمانی کے مصداق ہمیشہ سے ادارۂ محدث اور اس سے وابستہ دیگر اداروں کے خصوصی سرپرستوں اور معاونوں میں شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ ان علماے دین کی عظیم خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے، اور ان کے نیک کاموں کو جاری وساری رکھنے کی توفیق اَرزانی فرمائے۔آمین! (حسن مدنی)

سلام ہو، محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپؐ کی آل پر..... کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی آلؓ کے اُسوۂ حسنہ کی اتباع کا فخر حاصل ہے اور وہ جادۂ زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر شعبہ میں رسولؐ، آلِ رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے میں اپنی کامیابی

☆ خطیب جامع اہلحدیث سرگودھا، بلاک ۱۹..... ماڈل ٹاؤن، سی بلاک، لاہور

www.KitaboSunnat.com

اور نجات سمجھتے ہیں۔ دراصل انہی مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کے اُسوۂ حسنہ کی متابعت عین ایمان ہے۔ جو لوگ اس راہِ عمل کے تارک ہیں یا اس میں حسبِ منشا تغیر وتبدل کرتے ہیں، اُن کا ایمان مشتبہ اور مشکوک ہے، اس لئے اُن کی نجات محال ہے۔

ماہ محرم الحرام سے اسلامی سنہ ہجری شروع ہوتا ہے۔ واقعۂ کربلا اسی ماہ میں پیش آیا۔ آج ملتِ اسلامیہ کا کارواں ۱۳۷۰ھ (بمطابق ۱۹۵۱ء) کے سفر کا آغاز کر رہا ہے۔ ربّ العزت دنیاے اسلام کے لئے ہر نیا سال مبارک کرے اور اہلِ اسلام کو رسول ﷺ، آلِ رسولؐ اور صحابۂ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اَحکام ومسائل محرم الحرام

ماہِ محرم الحرام کے احکام ومسائل جو صحیح احادیث میں مروی ہیں اور جن پر رسول اللہ ﷺ، آلِ رسولؐ، اصحابِؓ رسول اور سلف صالحینؒ کا عمل رہا۔ وہ مختصر طور پر درج ذیل ہیں:

عہدِ جاہلیت میں قریش عاشورا (دسویں محرم) کو بیت اللہ شریف پر نیا غلاف پہناتے تھے اور اس دن کی تعظیم وتکریم میں روزہ رکھتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ جب حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں نزولِ اِجلال فرمایا تو یہود کو بھی اس دن روزہ رکھتے دیکھا۔ آپؐ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم اُس دن کیوں روزہ رکھتے ہو؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ یہ ہمارا یومِ نجات ہے۔ اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن فرعون سے نجات دلائی اور موسیٰ علیہ السلام نے اُس دن بطورِ شکرانہ روزہ رکھا۔ تو رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام سے موافقت کرنے میں ہم تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور عام اہل اسلام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ البتہ جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص چاہے تو عاشورا کے دن کا روزہ رکھے اور چاہے تو نہ رکھے۔ مگر خود آپ کا فعل یہ تھا کہ آپ ﷺ روزہ رکھا کرتے اور ترغیب بھی دلاتے تھے۔

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اُس دن کے روزہ سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ رمضان کے بعد بہتر روزہ ماہِ محرم کا روزہ ہے۔ بعد میں یہود کی مشابہت سے

www.KitaboSunnat.com

بچنے کے لئے نبی مکرم ﷺ نے فرمادیا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو محرم کی نویں کا روزہ رکھوں گا۔ آپ ﷺ آئندہ سال اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے۔ لیکن اس ارشاد کی بنا پر صحابہ کرامؓ کا یہی عمل اور فتویٰ رہا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

یہ ہیں ماہِ محرم اور یومِ عاشورا کے اصل احکام و مسائل جو صحیح روایات میں ہیں۔ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ انہی کو بجالانے پر اکتفا کرے۔ اس کے علاوہ محرم کے متعلق کئی فرضی، خودساختہ اور موضوع روایات بھی ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف ما ثبت بالسنة میں ایسی بعض موضوع روایات کی نشاندہی کی ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

محرم کے بارے میں موضوع روایات

① جو شخص یومِ عاشورا کا روزہ رکھے، اسے ساٹھ برس کے روزوں اور قیام اللیل کا ثواب ملے گا۔

② جو شخص عاشورا کے دن کا روزہ رکھے گا، اسکو دس ہزار فرشتوں کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

③ جو شخص اس دن کا روزہ رکھے گا، اس کو ہزار شہید کا ثواب ملے گا۔

④ جس نے عاشورا کے دن ایک بھوکے کو کھانا کھلایا، اس نے گویا اُمتِ محمدیہ کے تمام فقراء ومساکین کو کھانا کھلایا۔

⑤ جس نے اس دن یتیم کے سر پر دستِ شفقت پھیرا، اس کو ہر بال کے عوض جنت میں ایک درجہ ملے گا۔

⑥ جس نے عاشورا کے دن ایک گھونٹ پانی پلایا، اس کا درجہ اس شخص کے برابر ہے جس نے تمام عمر ایک لحظہ کے لئے بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔

⑦ جس شخص نے عاشورا کے دن مساکین کے گھر کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا، وہ قیامت کے دن پلِ صراط پر سے بجلی کی طرح گذر جائے گا۔

یہ روایات وہ ہیں جو اہلِ تشیع نے یومِ شہادتِ حسینؓ (۱۰محرم/عاشورا) کے دن کو مزید مقدس اور اہم باور کرانے کے لیے وضع کیں۔ امام ابن جوزیؒ نے بھی اپنی کتاب الموضوعات میں اس قسم کی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ اس کے برعکس وضاعین وکذابین نے آل رسولؐ سے تعصب وعناد کے باعث ناصبیّت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عاشورا کے دن کو مسرت

www.KitaboSunnat.com

وشادمانی کا دن باور کرانے کے لیے بہت ساری روایات گھڑ ڈالیں اور ایسی اکثر روایات حجاج بن یوسف کے زمانہ میں وضع کی گئیں۔ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

① جو شخص عاشورہ کے دن آنکھوں میں سرمہ لگائے گا، اس سال اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

② جس شخص نے اس دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے اور لباس میں فراخی کی، اللہ تعالیٰ اس پر سارا سال فراخی کرے گا۔ اس قسم کی تمام روایات وضعی ہیں!

شیخ ابن حجرؒ کا فتویٰ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ما ثبت بالسنة میں شیخ ابن حجرؒ مفتی مکہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بعض ائمہ حدیث وفقہ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا کہ عاشورا کے دن سرمہ لگانا، غسل کرنا، مہندی لگانا، مختلف قسم کے کھانے پکانا، نئے کپڑے پہننا اور اُس دن خوشی کا اظہار کرنا کیسا ہے؟ سب نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث رسول اللہ ﷺ سے یا کوئی روایت صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں، نہ ائمہ اسلام نے ان چیزوں کو پسند کیا ہے اور نہ مستند کتب حدیث میں اس بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت موجود ہے۔''

مروّجہ تعزیہ وغیرہ کی حقیقت اور شرعی حیثیت

اس کے علاوہ محرم کے ابتدائی دس دنوں میں رونا پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، بال نوچنا، چھاتی پیٹنا، سر برہنہ پھرنا، غسل چھوڑ دینا، سیاہ کپڑے پہننا، بچوں کو سیاہ اور سبز کپڑے اور مؤلی پہنانا، شہدا کے نام کی نذر ونیاز دینا، ماتم کی محفلیں قائم کرنا، جنگ نامے پڑھنا، ماتمی جلوس، تعزیہ، مہندی، گھوڑا وغیرہ سب بدعات ہیں جن کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں بلکہ صریح اُسوۂ حسنہ کے خلاف ہیں۔اُسوۂ حسنہ تو صرف یہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا یعنی نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھا جائے جس سے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور بس!

ہندوستان میں تعزیہ کب آیا؟

تعزیہ داری وغیرہ رسوم سے آٹھ سو سال تک ہندوستان بالکل پاک رہا۔ ۸۰۱ ہجری میں تیمور لنگ ترکستان کا بادشاہ جو نسلاً تاتاری اور مذہباً شیعہ تھا، اس نے پہلے پہل اس رسم کو ایجاد کیا اور ہندوستان میں پہلا تعزیہ ۹۶۲ ہجری میں ہمایوں بادشاہ کی معرفت آیا۔ اس نے اپنے

www.KitaboSunnat.com

وزیر بیرم خان کو بھیج کر ۴۶ تولہ کا ایک زمردین تعزیہ منگوایا جہاں سے ہندوستان میں اس رسم کی ابتدا ہوتی ہے۔شریعتِ محمدیہؐ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اہل بیت کا اُسوۂ حسنہ اور 'محبانِ اہل بیت' کا طرزِ عمل

اب دیکھنا یہ ہے کہ آغازِ محرم سے جن حرکات وسکنات اور افعال واعمال کا ارتکاب کیا جاتا ہے؛ کیا واقعتاً وہ اہل بیت کی محبت کا تقاضا ہے؟ یہ ایک مسلمہ اُصول ہے کہ محبوب کی ہر اَدا پر محبت کرنے والا دل و جان سے شیدا ہوتا ہے اور محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جو محبوب کے نزدیک اَنسب اور وجہِ مسرت ہو۔اگر اس کے خلاف کرے گا تو محبوب کی ناراضگی اور مفارقت کا موجب ہوگا۔افسوس اور صد افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان حضرات نے اہل بیت کی محبت میں وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس پر اہل بیت اور خود رسولِ اکرم ﷺ سخت ناراض ہیں اور وہ اپنے اَعمال سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اہل بیت سے اُن کو محبت نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اہل بیتؓ نے ایسے افعال کا نہ تو حکم دیا اور نہ ہی خواہاں تھے، بلکہ آپ ﷺ کی تعلیمات سے تو یہی اخذ ہوتا ہے کہ وہ دین میں خرافات وبدعات کے سخت دشمن تھے، لہٰذا اس بنا پر ایسی خرافات کے مرتکب لوگوں کا محض دعویٰ محبت اُنہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ گراں قدر بصیرتیں موجود ہیں جن سے اُمتِ مرحومہ کے دلوں میں عزم و استقلال، صبر وثبات، استبداد شکنی، قیامِ خلافت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح پیدا ہوتی ہے اور حضرت حسینؓ کی قربانی کا مقصد ہی یہ تھا کہ میرے نانا کی اُمت اچھے اوصاف سے متصف ہوجائے مگر لوگوں نے اس عظیم الشان قربانی کا مضحکہ اُڑانا شروع کردیا اور تعزیوں کے جلوسوں کو حضرت حسینؓ کی عظمت کے لئے کافی سمجھ لیا اور ماتم کرنے، بال نوچنے، چھاتی پیٹنے، بدن زخمی کرنے اور نوحہ اور بین کرنے کو اہل بیت کی محبت کا معیار قرار دے دیا۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست

نوحہ کے بارے میں دربارِ نبوت کا حکم وعمل

اسلام میں خویش واقارب اور گذشتہ بزرگوں پر ماتم و بین کرنا اور اس قسم کی حرکات کرنا جو

www.KitaboSunnat.com

آج اکثر طور پر کی جاتی ہیں، سخت منع ہے۔ چنانچہ سرکارِ مدینہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَنَا بَرِیءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ» (صحیح مسلم:۱۰۴)

''جس نے (نوحہ کے لیے) سر کے بال منڈوا دیئے یا بلند آواز سے بین کئے یا کپڑے پھاڑے، میں اس سے بیزار ہوں۔''

نیز فرمایا:

«لیس مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الخُدودَ وشقَّ الجُیُوب ودَعا بدعوٰی الجاهلیة»

''جس نے (نوحہ کے لیے) کرتے ہوئے منہ کو پیٹا، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت کے بین کئے، وہ ہم سے نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری:۱۲۹۷)

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے عملاً یہ اُسوۂ حسنہ پیش کیا کہ اپنے فرزند دل بند ابراہیمؓ کی وفات پر فرمایا: «العینُ تدمع والقلب یحزُن ولا نقول إلا ما یرضٰی ربنا»

''دل غمگین ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں مگر زبان سے وہی لفظ نکلیں گے جن سے ہمارا ربّ راضی ہو۔'' (صحیح بخاری:۱۳۰۳)

اور اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے لڑکے کی وفات کی خبر سن کر اس کو یہ پیغام بھیجا:

«إن لله ما أخَذَ وله ما أعطٰی وکل عنده بأجل مسمّٰی فَلتصبر ولتحتسب»

''اللہ کا مال تھا جو اُس نے لے لیا اور جو اُس نے دے رکھا ہے، وہ بھی اسی کا ہے اور ہر ایک کے لئے اس کے پاس ایک مقررہ وقت ہے۔ چنانچہ (بیٹی تو) صبر سے کام لے اور اس پر اللہ سے ثواب کی اُمیدوار رہ۔'' (صحیح بخاری:۱۲۸۴)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کے فوت ہوجانے پر عورتوں نے رونا شروع کردیا۔ حضرت عمر فاروقؓ ان عورتوں کو اپنے کوڑے سے مارنے لگے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے دیکھا تو اُن عورتوں کو پیچھے ہٹایا اور فرمایا: اے عمرؓ! ٹھہر جا۔ پھر عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو! شیطانی آواز مت نکالو۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

«إنه مهما کان من العین والقلب فمن الله عزوجل ومن الرحمة وما کان من الید ومن اللسان فمن الشیطان» (مسند احمد:۱/۲۳۷)

''میت کے غم میں جہاں تک دل کے غم اور آنسوؤں کا تعلق ہے، سو یہ تو اللہ کی طرف سے ہے

www.KitaboSunnat.com

اور انسانی ہمدردی اور رحم کا نتیجہ ہے۔ مگر ہاتھ (سے پیٹنا) اور زبان (سے بین کرنا) یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔'' اور

نهٰى رسول الله ﷺ عن المراثي (سنن ابن ماجہ:۱۵۹۲)

''رسول اللہ ﷺ نے مرثیہ خوانی سے منع فرمایا ہے۔''

دوستو! یہ ہے وہ اُسوۂ حسنہ جس کی اتباع ہر مسلمان کا فرضِ اوّلین ہے اور ایک خاص طبقہ کا سال محرم کے دس ابتدائی دنوں میں نت نئے افعال کا ارتکاب سنتِ نبوی کے سراسر خلاف ہے بلکہ حضرت حسینؓ کی قربانی سے استہزا ہے۔ یہ کس قدر مضحکہ خیزی کی بات ہے کہ حضرت حسینؓ تو ملتِ اسلامیہ کے سامنے شجاعت سے ودلیری سے اُسوۂ شہادت پیش کریں اور ہم میں سے کچھ لوگ اس عظیم اُسوۂ شہادت پر سینہ کوبی کریں۔

ایک مسلمان کا یہ افسوسناک منظر دیکھ کر کلیجہ شق ہوجاتا ہے کہ حضرت حسینؓ ایسے مجاہد و موحد کی عظیم الشان شہادت کی یادگار کو تعزیوں کی صورت میں بازاروں اور گلی کوچوں میں اُٹھائے پھرنا اور پھر ایک فرضی کربلا میں یہ تعزیے پھینک دینا اور پھر سارا سال اُنہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

مروّجہ رسوم حضرت حسینؓ کی توہین ہیں

تعزیہ داری، گھوڑا وغیرہ جیسی رسوم کی حقیقت پر غور وخوض کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی مردانہ وار شہادت کا ان رسوم سے ذرہ بھر بھی تعلق نہیں بلکہ یہ رسوم اس عظیم الشان شہادت کی توہین کے مترادف ہیں۔

کاش یہ حضرات ان افعال و رسومات کی حقیقت و اصلیت اور نتائج وعواقب پر غور کریں اور حضرت حسینؓ کی عظیم الشان قربانی کی ان بصیرتوں کے حصول کی کوشش کریں جو مسلمانوں کو ثریٰ سے نکال کر ثریا تک پہنچا سکتی ہیں۔

اب ہم حضرت حسینؓ کی شہادت کے اصل واقعات اور آپؓ کی مختصر تاریخ جو صحیح و مستند کتب میں مروی ہیں کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تاکہ حبِ حسین میں غلو کے نتیجے میں وضع کی گئی روایات سے مبرا حقائق سامنے لائے جائیں اور فرضی روایات سے بچا جا سکے۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت حسینؓ کی سوانح حیات

حضرت حسینؓ ۴ ہجری میں تولد ہوئے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت محمد ﷺ کی مبارک و مقدس گودوں میں پرورش پاکر سنِ شعور کو پہنچے۔ آپؓ سات برس کے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس دارِفانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت آپؓ کی عمر آٹھ برس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت صدیقؓ آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھی آپ سے بے انتہا اُلفت تھی۔

حضرت عمرؓ نے بدری صحابہ کے لڑکوں کا وظیفہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر کیا تھا مگر حضرت حسینؓ کو پانچ ہزار درہم سالانہ ملتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ پورے شباپر تھے۔ مفسدین کی شورش کے وقت آپ حضرت عثمانؓ (قصر خلافت) کے محافظ تھے۔ جنگ جمل اور جنگِ صفین میں آپ اپنے والد ماجدؓ کے ساتھ شریک ہوئے۔ جب حضرت حسنؓ (آپ کے برادرِ بزرگوار) نے خلافت سے دست برداری کا ارادہ کیا تو آپ نے اُن کی پرزور مخالفت کی، لیکن فیصلہ کے بعد آپؓ کے ظاہری تعلقات امیر معاویہؓ سے درست ہوگئے۔ چنانچہ ۴۹ ہجری میں آپ جنگِ قسطنطنیہ میں بھی شامل ہوئے۔ ۵۶ ہجری میں امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ سے یزید کی ولی عہدی کے حق میں بیعت لینی چاہی مگر حضرت حسینؓ وغیرہ اس سے متفق نہ ہوئے۔ اس پر امیر معاویہؓ کو بھی آئندہ خطرات کا احساس ہوگیا۔ چنانچہ وفات کے وقت امیر معاویہؓ نے یزید کو وصیت کی کہ اہل عراق حسینؓ کو تمہارے خلاف کھڑا کریں گے مگر تم ان کے حق اور قرابتِ نبویؐ کا احساس کرکے درگزر سے کام لینا۔

امارتِ یزید

رجب ۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تو یزید کی بیعت کو اکثریت نے قبول کرلیا۔ یزید کو سیدنا حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے خطرہ تھا۔ اس کو یقین تھا کہ وہ حجاز اور عراق کے مسلمانوں کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کرسکتے ہیں لہٰذا اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی ولید بن عتبہ (حاکم مدینہ) کو تاکیدی حکم بھیجا کہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دونوں سے بیعت لی جائے۔

www.KitaboSunnat.com

ولید نے مروان بن حکم کو مشورہ دیا کہ اگر ذرا بھی لیت ولعل کریں تو قتل کردو۔ اگر یہ دونوں اس وقت نکل گئے تو پھر قابو نہ آئیں گے۔ ولید نے سیدنا حسینؓ کو بلا بھیجا۔ چونکہ حضرت امیر معاویہؓ کی علالت کی خبریں مدینہ میں مشہور تھیں، اس لئے سیدنا حسینؓ اپنی حفاظت کے لئے ایک جماعت کو اپنے ساتھ لیتے گئے جب ملاقات ہوئی تو ولید نے بیعت کا مطالبہ کیا۔ آپؓ نے پہلے تو امیر معاویہؓ کے انتقال کی تعزیت کی پھر فرمایا کہ میں چھپ کر بیعت نہیں کرسکتا، عام لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آجاؤں گا۔ اسی اثنا میں یہ خبر عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی پہنچ گئی اور وہ رات ہی رات مکہ کی طرف نکل گئے۔ چونکہ ولید دن بھر اُن کی تلاش میں سرگرداں رہا، اس لئے وہ سیدنا حسینؓ کی طرف متوجہ نہ ہوسکا۔ اس نے دوسرے دن آپ کو بلایا تو آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی، اسی اثنا میں اہل عراق کے پے در پے پیغامات پہنچے کہ آپ خلافت کو قبول کیجئے۔ اسی کشمکش میں محمد بن حنفیہ کے مشورہ سے آپ شعبان ۶۰ ہجری میں مدینہ سے نکل کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

انکارِ بیعت کی وجوہات

① خلفاے راشدین خلیفہ کے انتخاب میں بہت محتاط تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب میں تو احادیثِ نبویؐ کے ارشادات وکنایات سے کام لیا گیا اور حضرت عمرؓ کی نسبت بھی قریباً یہی چیز کام آئی۔ بعد میں شوریٰ سے انتخاب ہوتا رہا۔ مگر یزید کی امارت کے متعلق اس اُصول کی پابندی نہ کی گئی۔

② مسلمانوں میں یزید سے بہتر صحابہؓ واہل بیتؓ موجود تھے جنہیں نظر انداز کردیا گیا تھا۔

③ یزید ذاتی طور پر خلافت کا اہل نہیں تھا، فسق وفجور اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب تھا۔

④ اہل عراق آپؓ کی خلافت کو پسند کرتے تھے۔

ان وجوہات کے باعث سیدنا حسینؓ یزید کی خلافت کے مخالف رہے۔

مسلم بن عقیلؒ کی شہادت

مکہ مکرمہ پہنچ کر آپؓ نے حضرت مسلم بن عقیلؒ کو تحقیق حالات کے لئے کوفہ بھیجا اور ایک

www.KitaboSunnat.com

قاصد بصرہ کی طرف روانہ کیا۔ جاسوسوں نے یہ خبریں اسی وقت یزید کو پہنچائیں، اُس نے عبیداللہ بن زیاد (حاکم بصرہ) کو تاکیدی حکم بھیجا کہ مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ سے نکال دو، اگر مزاحمت کرے تو اسے قتل کردو۔ بصرہ میں حضرت حسینؓ کا بھیجا ہوا قاصد گرفتار کرکے قتل کردیا گیا۔

مسلم بن عقیلؓ کو ہانی بن عروہ نے اپنے زنان خانہ میں ٹھہرایا اور یہیں چند روز میں اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے سیدنا حسینؓ کی بیعت قبول کرلی۔ ابن زیاد نے ہر چند مسلمؓ کی تلاش کی مگر کچھ سراغ نہ مل سکا۔ آخر کار اس کے غلام معقل نے اس خفیہ انتظام کا سراغ لگا لیا۔ ابن زیاد نے پہلے ہانی بن عروہ کو گرفتار کیا اور اس سے مسلمؓ کا مطالبہ کیا۔ مگر اس نے صاف انکار کردیا کہ میں موت کو قبول کروں گا مگر اپنے مہمان اور پناہ گزیں کو حوالے نہیں کرسکتا۔ اسی دوران میں یہ افواہ اُڑ گئی کہ ہانی کو قتل کردیا گیا۔ اس پر ہانی کے قبیلہ کے ہزارہا لوگوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کرلیا اور مسلم بن عقیلؓ اپنے اٹھارہ ہزار رفیقوں کے ساتھ حملہ آور ہوگئے۔ اس وقت ابن زیاد کے ساتھ صرف پچاس آدمی موجود تھے، اس نے محل کا دروازہ بند کرلیا اور معززین شہر کو حکم دیا کہ چھتوں پر چڑھ کر لوگوں کو لالچ اور خوف سے منتشر ہونے کی ترغیب دی جائے۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور مسلمؓ کے رفقا منتشر ہونے لگے۔ شہر کے لوگ آتے تھے اور اپنے عزیزوں کو ہٹا کر لے جاتے تھے یہاں تک کہ مسلم بن عقیلؓ کے ہمراہ صرف تیس آدمی کھڑے رہ گئے۔ آپ اُن رفقا کے ساتھ محلّہ کندہ کی طرف ہٹ آئے، یہاں یہ تیس بھی آپؓ سے جدا ہوگئے اور آپ تنہا کھڑے رہ گئے اور ایک عورت کے ہاں پناہ لی۔

ابن زیاد نے سراغ لگانے کے بعد آدمیوں کے ساتھ اس مکان کا محاصرہ کرلیا مگر مسلم بن عقیلؓ خوفزدہ نہ ہوئے بلکہ اس ہمت سے مردانہ وار مقابلہ کیا کہ سب کو مکان سے باہر کردیا۔ اُنہوں نے پھر حملہ کیا مگر آپ نے پھر اُنہیں دھکیل دیا۔ ایک شخص نے آپؓ کے چہرۂ مبارک پر وار کیا جس سے آپ کا اوپر کا ہونٹ کٹ گیا اور دو دانت جھٹکا کھا گئے۔ باقی ۶۹ آدمی مکان کی چھت پر چڑھ کر آگ اور پتھر برسانے لگے اب مسلمؓ گلی میں نکل کر مقابلہ کرنے لگے اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہوگئے جب قوت نے بالکل جواب دے دیا تو دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت محمد بن اشعث نے انہیں پناہ کا وعدہ دے کر گرفتار کرلیا۔

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد آپ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ محمد بن اشعث نے کہا کہ میں مسلم کو پناہ دے چکا ہوں، لیکن ابن زیاد نے اسے تسلیم نہ کیا اور حکم دیا کہ اُنہیں قتل کردیا جائے۔ آپؓ نے ابن زیاد کی اجازت سے عمرو بن سعد کو وصیت کی کہ سیدنا حسینؓ آرہے ہوں گے، ان کے پاس آدمی بھیج کر اُنہیں راستہ ہی میں واپس کردیا جائے۔ وصیت ہوچکی تو آپ کو محل کی بالائی منزل پر لے جاکر شہید کردیا گیا اور آپ کی لاش اور سر نیچے پھینک دیئے گئے۔ اس طرح حضرت مسلمؓ کی شہادت کی صورت میں حضرت حسینؓ کا ایک نہایت قوی بازو ٹوٹ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مکہ مکرمہ سے سیدنا حسینؓ کی روانگی

مسلم بن عقیلؓ نے پہلا خط جو سیدنا حسینؓ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ تمام شہر آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہے، تشریف لے آئیں۔ آپ یہ خط دیکھتے ہی سفر کے لئے تیار ہوگئے۔ جب دوستوں اور عزیزوں کو علم ہوا تو اُنہوں نے آپ کو نہایت شدت سے روکا۔ عمرو بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ کوفہ کے لوگ روپے پیسہ کے غلام ہیں جو لوگ آج آپ کو بلاتے ہیں، وہی کل آپ سے جنگ کریں گے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ مکہ سے حرکت نہ کریں عراقی آپ کو یقیناً بے یارومددگار چھوڑ دیں گے۔

تدبیر اور تقدیر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ پھر دوسرے دن آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی! آپ کے سفر کے بارے میں میرا دل سخت بے قرار ہے۔ آپ صرف اہل کوفہ کو لکھیں کہ تم پہلے شامیوں کو نکال دو، پھر میں کوفہ پہنچ جاؤں گا۔ لیکن حضرت حسینؓ رضامند نہ ہوئے۔ عبداللہ بن عباسؓ جب بالکل مایوس ہوگئے تو کہا اگر جاتے ہو تو عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاؤ، مجھے خطرہ ہے کہ آپ بھی عثمانؓ کی طرح عورتوں اور بچوں کے سامنے قتل نہ کردیئے جاؤ اور وہ دیکھتے ہی رہ جائیں، لیکن کارکنانِ قضا وقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس لئے حضرت ابنِ عباسؓ کی ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔

www.KitaboSunnat.com

آخر میں ابوبکر بن حارث نے کہا کہ ہم میں حضرت علیؓ سے بڑی شخصیت کس کی ہوگی؟ مگر اہل عراق نے دنیا کے لالچ میں ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیا پھر حضرت حسنؓ سے بے وفائی کی۔ ان زندہ تجربات کے بعد آپ اپنے والد ماجد کے دشمنوں سے بھلائی کی کیا توقع رکھتے ہیں؟ لیکن سیدنا حسینؓ نے اس پر بھی اپنا ارادہ نہ بدلا اور اُنہیں صرف یہی جواب ملا کہ خدا کی مرضی پوری ہوکر رہے گی اور اہل بیت کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوگئے۔

حالاتِ سفر

اثنائے سفر بھی آپ کے بعض احباب نے بذریعہ خطوط عرض کی کہ سفر کے ارادہ کو ترک کردیجئے مگر تقدیر آپ کو کشاں کشاں منزل مقصود یا میدانِ کربلا کی طرف لے جارہی تھی، اس لئے آپ پر کسی کی اپیل یا مشورے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عمرو بن سعد کے خط کے جواب میں لکھا کہ

''جو شخص اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہے۔ عمل صالح کرتا ہے اور اسلام کا معترف ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کیونکر اختلاف کرسکتا ہے۔ تم نے مجھے امان، بھلائی اور صلہ رحمی کی دعوت دی ہے۔ پس بہترین امان اللہ تعالیٰ کی امان ہے۔ جو شخص دنیا میں خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، خدا قیامت کے دن اُسے امن نہیں دے گا۔ اس لئے میں دنیا میں خدا کا خوف چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن میں اس کی امان کا مستحق ہوجاؤں۔ اگر خط سے تمہاری نیت میرے ساتھ صلہ رحمی اور بھلائی کی ہے تو خدا تمہیں دنیا و آخرت میں جزائے خیر دے۔''

ادھر اہل بیتِ کرام کا قافلہ منازل طے کررہا تھا۔ ادھر ابن زیاد نے قادسیہ سے لے کر خفان، قطقطانہ اور جبل بَعْلع تک جاسوس اور سوار روانہ کردیئے تاکہ حضرت حسینؓ کی نقل وحرکت کی جملہ خبریں ملتی رہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاجز پہنچ کر قیس بن مسہر کے ہاتھ اہل کوفہ کو اپنی آمد کا خط ارسال کیا، لیکن ابن زیاد کے تمام انتظام مکمل تھے۔ قیس کو قادسیہ میں گرفتار کرلیا گیا اور ابن زیاد نے اسے چھت سے گرا کر شہید کردیا۔

بطن رملہ کے مقام پر عبداللہ بن مطیع سے آپؓ کی ملاقات ہوئی، اس نے صاف طور پر بیان

www.KitaboSunnat.com

کردیا کہ آپ ہرگز ہرگز کوفہ کا قصد نہ کریں، آپ وہاں یقیناً شہید کردیئے جائیں گے۔ جب ثعلبہ میں پہنچے تو آپؓ کو مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی المناک اطلاع ملی، اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر بہی خواہوں نے پھر عرض کیا کہ آپ یہیں سے واپس لوٹ جائیں، لیکن مسلمؓ کے بھائیوں نے پیش قدمی کی رائے دی۔ اس طرح اہل بیت کا قافلہ ایک منزل اور آگے بڑھ گیا۔ زبار پہنچ کر آپ کو اپنے قاصد عبداللہ بن بقطر کے قتل کی اطلاع ملی اور ساتھ ہی مسلم بن عقیلؓ کی وصیت کے مطابق آدمی پہنچے کہ یہاں کا حال بدل چکا ہے۔ اس موقعہ پر سیدنا حسینؓ نے ساتھیوں کو جمع کرکے ایک پُردرد تقریر فرمائی۔ جس میں آپؓ نے فرمایا:

''ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے الگ ہوجائے، ہمیں کوئی شکایت نہیں۔''

اس پر بے شمار لوگ جو راستہ میں آپ کے ساتھ ہوگئے تھے، الگ ہوگئے اور صرف وہی وفا شعار جاں نثار ساتھ رہے جو مدینہ سے آپؓ کے ساتھ آئے تھے۔ بطن عقبہ پر آپ کو پھر واپسی کی ترغیب دی گئی مگر آپ نے فرمایا: ''خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔''

خونیں سال کی ابتدا

جب آپ شراف میں پہنچے تو محرم ۶۱ ہجری کا خونیں سال شروع ہوا اور اسی مقام پر حُر بن یزید تمیمی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپؓ کے مقابل آ ٹھہرا۔ نمازِ ظہر کے وقت آپ نے حُر کے لشکر کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا کہ

''میں تمہاری دعوت اور عہد و پیمان کے مطابق یہاں آیا ہوں۔ میرے پاس اس مضمون کے تمہارے خطوط اور قاصد آئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے شائد خدا آپ ہی کے ذریعے ہمیں سیدھے رستہ پر لگا دے۔ چنانچہ اب میں آ گیا ہوں، اگر تم لوگ میرے ساتھ پختہ وعدہ کرکے مجھے یقین دلا دو تو میں تمہارے شہر میں چلوں۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور تمہیں ہمارا آنا ناپسند ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں لوٹ جاؤں۔''

نمازِ عصر کے بعد آپ نے پھر اسی مضمون کی تقریر کی تو حُر نے جواب دیا کہ ہمارا خط لکھنے والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہم ابن زیاد کے سپاہی ہیں اور ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم آپ کے

www.KitaboSunnat.com

ساتھ لگے رہیں یہاں تک کہ کوفہ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ اس موقع پر سیدنا حسینؓ نے قافلہ اہل بیت کو واپس لوٹانا چاہا مگر حُر نے راستہ روک لیا۔ آپؓ مدینہ طیبہ کی طرف جانا چاہتے تھے مگر حر چاہتا تھا کہ آپ کو کوفہ لے جایا جائے۔ مزید گفتگو کے بعد حُر نے یہ اجازت دی کہ اگر آپ کوفہ نہیں جانا چاہتے تو آپ ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کو جائے اور نہ مدینہ کو۔ اسی دوران میں مَیں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ یزید کو لکھیں، ممکن ہے عافیت کی کوئی صورت پیدا ہوجائے۔ اس قرارداد کے بعد آپ ایک ایسے راستے پر روانہ ہوئے جس کی آخری المناک منزل کربلا تھی۔

میدانِ کرب و بلا از واقعۂ شہادت سیدنا حسینؓ

ابن زیاد کی طرف سے حُر کو حکم دیا گیا کہ قافلہ اہل بیت کو ایک ایسے میدان میں گھیر کر لے جاؤ جہاں کوئی قلعہ اور پانی کا چشمہ نہ ہو۔ اس حکم کے بعد حُرّ نے مزاحمت کی۔ یہ ۲ محرم ۶۱ ہجری کا واقعہ ہے کہ قافلۂ اہل بیت اپنے آخری مستقر یعنی نینوا کے میدان کرب و بلا میں خیمہ زن ہوگیا۔ زہیر بن قیسؓ نے کہا: یا ابن رسول اللہؐ! آئندہ جو وقت آئے گا، وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ ابھی لڑنا آسان ہے، اس دستہ کے بعد جو فوجیں آئیں گی، ہم اُن کے ساتھ لڑ نہ سکیں گے، لیکن اس مجسمۂ شرافت و ایثار نے جواب میں فرمایا کہ ''میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کروں گا۔''

۳ محرم ۶۱ ہجری کو عمرو بن سعد چار ہزار فوج کے ساتھ آپ کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ عمرو بن سعد نے قرہ بن سعد حنظلی کو ملاقات کے لئے بھیجا تو سیدنا حسینؓ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے شہر والوں نے خطوط لکھ کر بلایا ہے، اب اگر میرا آنا تم کو پسند نہ ہو تو میں لوٹ جاتا ہوں۔

ابن سعد اس جواب سے بہت متاثر ہوا اور تمام واقعہ ابن زیاد کو لکھ کر بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ تم حسینؓ اور اس کے ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو پھر دیکھا جائے گا۔

اس کے بعد ہی دوسرا حکم یہ پہنچا کہ قافلہ اہل بیت پر پانی بند کردیا جائے۔ اس حکم پر ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ دریائے فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کردیا۔ اس

www.KitaboSunnat.com

دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روک دیا۔ عبداللہ بن ابوحسین شامی نے سیدنا حسینؓ سے مخاطب ہوکر کہا: حسینؓ پانی دیکھتے ہو، کیسا آسمان کے جگر کی طرح جھلک رہا ہے، لیکن خدا کی قسم تمہیں ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم اسی طرح پیاسے مروگے!

جب لشکرِ حسینؓ پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت عباس بن علی بیس سواروں اور بیس پیادہ افراد کے ساتھ گئے اور پانچ سو شامیوں کا مقابلہ کرکے پانی کی مشکیں لے آئے۔

رات کے وقت ابن سعد اور سیدنا حسینؓ کے درمیان بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ روایت ہے کہ سیدنا حسینؓ نے تین تجویزیں پیش کیں:

اوّل: یہ کہ یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔

دوم: واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

سوم: کسی سرحدی مقام پر بھیج دیا جائے۔

مگر ابن سعد نے منظور نہ کیا۔ اسی دوران ابن زیاد کا دوسرا حکم پہنچا کہ تم حسینؓ کے سفارشی بنتے ہو، اُنہیں ڈھیل دیتے ہو، اگر وہ میرا حکم نہیں مانتے تو حملہ کرکے میدان صاف کردو۔ اگر تم اس کے لئے تیار نہیں ہوتو فوج کی کمان ذی الجوشن کے حوالے کردو۔

اس کے بعد ۹ محرم کو عصر کے وقت اس نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں نماز و دعا کے لئے ایک رات کی اجازت چاہتا ہوں۔

رات کے وقت حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو ایک دردناک خطبہ دیا۔ آپؓ نے فرمایا:

''الٰہی! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمارے گھرانے کو نبوت سے مشرف فرمایا اور دین کی سمجھ اور قرآن کا فہم عطا فرمایا۔ لوگو! میں نہیں جانتا کہ آج روے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد و غمگسار کسی کے اہل بیت ہیں۔ اے لوگو! خدا تمہیں جزاے خیر دے۔ کل میرا اور اُن کا فیصلہ ہوجائے گا۔ غور وفکر کے بعد میری رائے ہے کہ رات کے اندھیرے میں تم سب خاموشی سے نکل جاؤ اور میرے اہل بیت کو ساتھ لے جاؤ۔ میں خوشی سے تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ

www.KitaboSunnat.com

صرف مجھے چاہتے ہیں اور میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔''

حضرت سیدنا حسینؓ کے ان الفاظ سے اہل بیت فرطِ بے قراری سے تڑپ اُٹھے اور سب نے بالاتفاق آپ سے وفاداری اور جاں نثاری کا عہد کیا۔ جب وفاداروں کی گرم جوشیاں ختم ہوئیں تو نماز کے لئے صفیں آراستہ کی گئیں۔ سیدنا حسینؓ اور ان کے رفقا ساری رات نماز، استغفار، تلاوتِ قرآن، دعا و تضرع میں مشغول رہے اور دشمن کے تیغ بکف سوار رات بھر لشکر حسینؓ کے گرد چکر لگاتے رہے۔

۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو جمعہ کے دن نمازِ فجر کے بعد عمرو بن سعد چار ہزار سواروں کو لے کر نکلا۔ حضرت حسینؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں۔ لشکر حسینؓ محض گنتی کے سواروں اور چند پیدل افراد پر مشتمل تھا۔

سیدنا حسینؓ کا دردناک خطبہ

جب دشمن کی فوج نے پیش قدمی کی تو اس مجسمۂ ایثار و قربانی اور صبر و استقامت کے پیکر نے ان کے سامنے بہ آوازِ بلند مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو! میں کون ہوں۔ پھر اپنے گریبانوں میں نظر ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ کیا تمہارے لئے مجھے قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا، ان کے چچیرے بھائی علیؓ کا فرزند نہیں ہوں۔ کیا سید شہدا حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے۔ کیا ذوالجناحین جعفر طیارؓ میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو میرے اور میرے بھائی کے حق میں یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا:

سیدا شباب أهل الجنة (جوانانِ جنت کے سردار)

اگر میرا بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے، کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک جھوٹ نہیں بولا تو بتاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا مقابلہ کرنا چاہئے؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے، کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبیؐ کا بلا واسطہ نواسہ ہوں۔ کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے۔ کہو کیا بات ہے..... آخر میرا قصور کیا ہے؟''

www.KitaboSunnat.com

آپؓ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہ دیا پھر آپ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے کر کر پکارنا شروع کیا: اے شیث بن ربیع! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے، زمین سرسبز ہوگئی، نہریں اُبل پڑیں۔ اگر آپ آئیں گے تو اپنی جرار فوج کے پاس آئیں گے سو جلد آ جایئے۔

اس پر اُن لوگوں نے انکار کیا تو آپؓ نے چلا کر کہا: واللہ! تم ہی نے لکھا تھا۔ آخر میں آپ نے کہا: اگر مجھے پسند نہیں کرتے تو چھوڑ دو میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں۔

قیس بن اشعث نے کہا: آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے جواب میں آپؓ نے فرمایا: واللہ! میں ذلت کے ساتھ کبھی اپنے آپ کو اُن کے حوالے نہیں کروں گا۔''

جس وقت ابن سعد نے فوج کو حرکت دی تو حُر اُن سے کٹ کر علیحدہ ہونے لگا تو مہاجر بن اوس نے اس سے کہا: مجھے تمہاری حالت مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا: خدا کی قسم! میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ بخدا میں نے جنت منتخب کر لی ہے۔ یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا لشکر حسینؓ میں پہنچ گیا اور نہایت عاجزی اور انکساری سے معافی کا خواستگار ہوا، آپؓ نے اُسے معاف فرما دیا۔

جنگ کی ابتدا

اس واقعہ کے بعد عمرو بن سعد نے کمان اُٹھائی اور لشکرِ حسینؓ کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا کہ گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔

مختصر سی مبارزت طلبی کے بعد عمرو بن سعد کی فوج لشکر حسینؓ پر ٹوٹ پڑی۔ ہر طرف جنگ کا میدان گرم ہوگیا اور خون کے فوارے اُبلنے لگے۔ سیدنا حسینؓ کے شیر دل سپاہی جس طرف رخ کرتے، صفوں کو اُلٹ دیتے تھے۔ مگر کثیر تعداد دشمن ذرا سی دیر میں پھر ہجوم کر آتا تھا۔ چند گھنٹوں میں لشکرِ حسینؓ کے بڑے بڑے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ، حُر اور حبیب بن مظاہر شہید ہوگئے۔ جب دشمن کے سپاہی سیدنا حسینؓ کے قریب پہنچے تو نماز کا وقت قریب تھا۔ آپ نے ابوثمامہ سے فرمایا: دشمنوں سے کہو کہ ہمیں نماز کی مہلت دیں۔ مگر دشمن نے یہ درخواست منظور نہ کی اور لڑائی بدستور جاری رہی۔

www.KitaboSunnat.com

اہل بیت کو صبر کی تلقین

سیدنا حسینؓ کے سب رفقا یکے بعد دیگرے شہید ہو چکے تو بنی ہاشم خاندانِ نبوت کی باری آئی۔ سب سے پہلے علی اکبرؓ شہید ہوئے۔ حضرت حسینؓ نے علی اکبرؓ کی لاش اُٹھائی اور خیمہ کے پاس رکھ دی۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ میدانِ جنگ سے قاسم بن حسنؓ کی لاش اُٹھا کر خیمہ کے پاس لائے اور علی اکبرؓ کی میت کے پہلو میں لٹا دیا۔ اہل بیت کے رونے کی آواز آپ کو سنائی دی تو آپ نے اہل بیت کو مخاطب کر کے فرمایا:

صبرًا يا أهل بيتي صبرًا يا بني عمومي لأريتم هوانًا بعد ذلك

''اے اہل بیت! صبر کرو۔ اے میرے چچا کی اولاد! صبر کرو۔ اس کے بعد کوئی تکلیف نہ دیکھو گے۔''

جس وقت عبداللہ بن حسنؓ نے اپنے چچا سیدنا حسینؓ پر دشمن کو وار کرتے دیکھا تو اُس پیکر وفا نے لپک کر اپنے ہاتھ پر تلوار کے وار کو روکا، اس کا دایاں بازو شانے سے کٹ کر جدا ہو گیا۔ سیدنا حسینؓ نے اپنے نوجوان بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اور فرمایا:

اصبر على ما نزل بك واحتسب في ذلك الخير فإن الله تعالىٰ يُلحقك بابائك الصّٰلحين

''اے بھتیجے! جو مصیبت اس وقت تم پر آئی ہے، اس پر صبر کرو اور ثواب کے اُمیدوار رہو۔ بہت جلد خدا تجھے تیرے صالح باپ دادا سے ملا دے گا۔''

ایک شیر خوار بچے کی شہادت

اس کے بعد سیدنا حسینؓ کا صاحبزادہ علی اصغرؒ جب شدتِ پیاس سے تڑپنے لگا تو آپ اس کو گود میں اُٹھا کر لائے اور دشمنوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تمہیں مجھ سے تو عداوت ہو سکتی ہے، لیکن اس معصوم بچے کے ساتھ تمہیں کیا دشمنی ہے؟ اس کو تو پانی دو کہ شدتِ پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔''

اس کے جواب میں دشمن کی طرف سے ایک تیر آیا جو اس بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا اور وہ معصوم وہیں جاں بحق ہو گیا۔ حضرت حسینؓ نے اس قدر ہوشربا سانحہ پر بھی کمالِ صبر وسکون کا مظاہرہ کیا یعنی اس کے خون سے چلو بھر کر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا:

www.KitaboSunnat.com

اللهم هوِّن على ما نَزَل به إنه لايكون أهون عليك من قتل ناقةِ صالح

'یا اللہ! جو مصیبت اس وقت اس پر نازل ہے، اس کو تو آسان کر۔ مجھے اُمید ہے کہ اس معصوم بچے کا خون تیرے نزدیک حضرت صالح کی اونٹنی سے کم نہیں ہوگا۔''

نواسۂ رسول ﷺ کا بے مثال صبر واستقلال

جب اہل بیت ایک ایک کرکے شہید ہوئے تو حضرت سیدِ شہدا کی باری آئی اور دشمن کی تلواریں نواسۂ رسولؐ کے جسم اطہر پر ٹوٹ پڑیں۔ آپ نے نہایت صبر واستقامت سے دشمنوں کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ بے شمار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ تن تنہا ہزاروں کا مقابلہ کررہے تھے۔ شدتِ پیاس سے زبان سوکھ کر کانٹا ہوچکی تھی، تین روز سے پانی کی ایک بوند لبوں تک نہ پہنچی تھی، اوپر سے جھلسا دینے والی دھوپ، نیچے سے تپتی ہوئی ریت، عرب کی گرمی موسم کی سختی اور بادِ سموم کا زور۔ ریت کے ذرّوں کی پرواز جو چنگاریاں بن کر جسم سے لپٹتے تھے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ (فاتح ایران) کا بدنہاد بیٹا حکومت کے لالچ سے اندھا ہوکر اَب خاندانِ رسالت کے آخری چراغ حضرت حسینؓ کی شمع حیات کو بھی بجھانے کیلئے بے تاب نظر آرہا ہے۔ آپؓ کے جسم اطہر میں تیروں، تلواروں اور نیزوں کے ۸۰ زخم پڑ چکے تھے۔ تمام بدن چھلنی بنا ہوا تھا مگر آپؓ پھر بھی نہایت شجاعت اور ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کررہے تھے۔

شمر بن ذی الجوشن حضرت حسینؓ کی پامردی اور استقامت دیکھ کر بہت حیران وسراسیمہ ہوگیا اور اس نے سیدنا حسینؓ کی توجہ میدانِ جنگ سے ہٹانے کیلئے یہ چال چلی کہ فوج سے ایک دستہ علیحدہ کرکے اہل بیت کے خیموں کا محاصرہ کرلیا، اس پر آپؓ نے جھلا کر فرمایا:

''اے لوگو شرم کرو! تمہاری لڑائی مجھ سے ہے یا بے کس و بے قصور عورتوں سے۔ کم بختو! کم از کم میری زندگی میں تو اپنے گھوڑوں کی باگیں اِدھر نہ بڑھاؤ۔''

شمر نابکار نے شرمندہ ہوکر خیمہ اہل بیت سے محاصرہ اُٹھا لیا اور حکم دیا کہ آخری ہلہ بول دو۔ آخر پوری کی پوری فوج درندوں کی طرح سیدنا حسینؓ پر ٹوٹ پڑی۔ آپؓ صفوں کو چیرتے ہوئے فرات پر پہنچ گئے اور یہ کہہ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا کہ میں بھی پیاسا ہوں اور تو بھی پیاسا ہے۔ جب تک تو اپنی پیاس نہ بجھائے گا، میں پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ گھوڑا

www.KitaboSunnat.com

پانی پی چکا تو آپؓ نے پینے کے لئے پانی چلو میں لیا اور چاہتے تھے کہ اس سے اپنا حلق تر کریں کہ یکا یک ایک تیر سامنے سے آ کر لب ہائے مبارک میں پیوست ہوگیا۔ آپ نے پانی ہاتھ سے پھینک دیا، تیر کھینچ کر نکالا اور منہ خون سے لبریز ہوگیا۔ آپ خون کی کلیاں کرتے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا:

''بارِالٰہا! تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ تیرے رسولؐ کے نواسے پر کیا کیا ظلم کر رہے ہیں۔''

اتنے میں آواز آئی کہ ''حسینؓ دور نکل گئے اور اہل بیت کی بھی خبر نہ رہی۔'' یہ آواز سنتے ہی سرعت سے آپ خیموں کی طرف پلٹے۔ راستہ میں دشمنوں کے پَرے کے پَرے لگے کھڑے تھے۔ آپ اُنہیں چیرتے ہوئے خیموں میں پہنچ گئے۔ حضرت حسینؓ کو مجروح اور خون میں شرابور دیکھ کر خیموں میں کہرام مچ گیا۔ آپ نے اُنہیں صبر کی تلقین کی اور باہر نکل آئے ایک تیر آپ کی پیشانی پر لگا جس سے سارا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد ایک تیر سینہ اطہر میں آ کر پیوست ہوگیا جس کے کھینچتے ہی ایک خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ آپؓ نے اس خون کو اپنے چہرہ پر مل لیا اور فرمایا کہ اسی حالت میں اپنے جدامجد رسولِ کریم ﷺ کے پاس جاؤں گا۔

'جنت کے نوجوانوں کے سردار' کی شہادت

طاقت جواب دے چکی تھی، چاروں طرف سے تلواروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی۔ آپؓ گھوڑے پر نہ سنبھل سکے۔ تپتی ہوئی ریت پر گر پڑے۔ دشمن اگر چاہتا تو آپؓ کو اس سے بہت پہلے شہید کر دیتا مگر کوئی شخص نبیرۂ رسول کا خون اپنے ذمہ نہیں لینا چاہتا تھا۔ اب شمر بن ذی الجوشن چلایا اور زرعہ ابن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر آپ کے دائیں ہاتھ کو زخمی کیا پھر شانہ پر تلوار ماری۔ آپ ضعف سے لڑکھڑائے تو سنان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

آپ کے لئے جنت الفردوس کے تمام دروازے کھل چکے تھے۔ حورانِ فردوس آپ کو فردوس کے جھونکوں سے جھانک رہی تھیں۔ حاملانِ عرش آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ صالحین، صدیقین اور انبیاے علیہم السلام کی روحیں استقبالِ نواسۂ سرورِ انبیاء ﷺ کے لئے تیار تھیں۔

www.KitaboSunnat.com

ملاے اعلیٰ میں ایک شور برپا تھا، جنت کی تزئیں وآرائش کی جارہی تھی کہ جوانانِ جنت کا سردار آنے والا ہے۔ آپ نے وفورِ انتشار حواس میں کروٹ بدلی اور آنکھ کھول کر دیکھا تو نمازِ عصر کا وقت تھا۔ فوراً سر سجدے میں جھک گیا اور نمازِ عصر ادا کی۔ اس کے بعد شمر نے حکم دیا کہ سر کاٹ لو۔ مگر اس وقت بھی آپؓ کے چہرہ پر رعب وجلال کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کو سر کاٹنے کی جراءت نہ ہوئی۔ شیث بن ربیع آگے بڑھا مگر اس پر بھی ہیبت و رعب طاری ہوگیا، اس کے بعد سنان بن انس آگے بڑھا، اس کی بھی یہی حالت ہوئی۔ آخر شمر دوڑ کر آپ کے سینہ اطہر پر سوار ہوگیا اور جسم اوندھا کر کے سر تن سے جدا کر دیا۔ دنیا نے شقاوت، ظلم اور بربریت کے بہت سے مناظر دیکھے ہوں گے، لیکن ایسا خوفناک سانحہ نہ دیکھا اور نہ دیکھے گی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

سیدنا حسینؓ کا جسدِ مبارک

ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو حکم دیا تھا کہ حسینؓ کی لاش کو گھوڑوں کے ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب یہ تقدیر بھی حضرت حسینؓ کے بدنِ مبارک پر پوری ہوئی۔ دس سواروں نے گھوڑے دوڑا کر آپ کے جسم اطہر کو روند ڈالا۔ آہ! یہ وہ جسم مبارک تھا جس کو پیغمبر الہ ﷺ، آپ کی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُٹھائے اُٹھائے پھرتے۔ یہی وہ جسم تھا، جس کو سرورِ کائنات کی پشتِ مبارک اور کندھوں پر سواری کا شرف نصیب ہوا۔ یہی جسم زخموں سے چور، خون میں شرابور، میدانِ کربلا میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا جارہا ہے۔ فاعتبروا يا أولي الابصار!

اس جنگ میں حضرت حسینؓ کے ۷۲ اور کوفیوں کے ۸۸ آدمی مقتول ہوئے۔ اس شقاوت اور قساوت کے مظاہرے کے بعد کوفیوں نے وحشت اور بربریت کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ پروگیانِ عفاف کے خیموں میں گھس کر لوٹ گھسوٹ شروع کردی۔ خواتین کے سروں سے چادریں اُتار لی گئیں۔ غور کیجئے کہ اس بے کسی کے عالم میں ان نبی زادیوں کے قلوب کا کیا حال ہوگا۔ مگر یہ سب کچھ انہوں نے کمالِ صبر وتشکر سے برداشت کیا۔

شہدائے کربلا کے سرنیزوں پر

سلسلۂ حرب وضرب اور جدال وقتال کے بعد عمرو بن سعد نے اپنی فوج کو آرام کرنے کا

www.KitaboSunnat.com

حکم دیا۔ کیونکہ مظاہر شقاوت سے وہ تھک چکے تھے۔ دوسرے دن مقتول کوفیوں کی لاشیں عمرو بن سعد نے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کرا دیں مگر شہدا کی لاشیں ویسے ہی چھوڑ دیں جنہیں بعد میں قریبی آبادی کے لوگوں نے سپردِ خاک کیا۔ سہ پہر کو عمرو بن سعد نے ۷۲ شہدائے اہل بیت کے کٹے ہوئے سر مختلف قبائل کے سرداروں کو علی قدرِ مراتب دو دو، چار چار اور چھ چھ تقسیم کئے جن کو اُنہوں نے نیزوں پر چڑھا لیا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ یہ لشکر فتح وظفر کے شادیانے بجاتا ہوا چھید ہوئے سروں کو آگے آگے لئے ہوئے روانہ ہوا۔ ان سروں کے حلقے میں اہل بیت کی خواتین بھی تھیں جنہیں اونٹوں پر سوار کیا گیا تھا۔

قافلۂ مظلوم کا کوفہ میں ورود اور اہل کوفہ کا ماتم وشیون

۱۲/محرم کو یہ قافلہ کوفہ میں پہنچا۔ کوفہ کے لوگ اس جلوس کو دیکھنے کے لئے سڑکوں، چھتوں اور گلیوں پر جمع ہوگئے اور شہدا کے سروں کو نیزوں پر دیکھ کر اس طرح رونا پیٹنا شروع کردیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خطوط بھیج کر خدا کے واسطے دے کر اپنی اطاعت کا یقین دلا کر سیدنا حسینؓ کو بلایا اور جب آپ پہنچ گئے تو روپے پیسے کے لالچ میں آ کر حضرت حسینؓ کی بیعت سے منحرف ہوگئے اور ابن زیاد کی فوج میں شامل ہوگئے اور خاندانِ نبوت کا خاتمہ کردیا۔ یہ وہی بزدل اور بے وفا کوفی تھے جو خود چین واطمینان سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور ان سے صرف ۱۰ فرسخ کے فاصلہ پر میدانِ کربلا میں چمنِ رسالت اپنے ہی کے فرزندں کے ہاتھوں پامال اور تباہ و برباد ہوا۔

آج جو حضرات ہر سال ماہِ محرم میں ماتم کرتے ہیں، یہ انہی کوفیوں کے ماتم کی نقل ہے۔ جنہوں نے اپنی شقاوت وظلم کے خونیں داغ دھونے کے لئے پیٹنا شروع کردیا تھا۔

ابن زیاد کا دربار

ابن زیاد نے اظہارِ مسرت کے طور پر ایک دربار منعقد کیا۔ تمام قیدی سامنے کھڑے کردیے گئے اور سیدنا حسینؓ کا سر ایک طشت میں رکھ کر اس کے سامنے لایا گیا۔ اس بدبخت نے دندان مبارک پر چھڑی مار مار کر کہنا شروع کیا: کیا یہی وہ منہ ہے جس سے تم نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا؟ اس وقت حضرت انسؓ سے ضبط نہ ہوسکا، کھڑے ہوکر فرمایا: بے ادب، گستاخ!

www.KitaboSunnat.com

اپنی قمچی کو ہٹا، میں نے خود نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے وہ اُنہیں چومتے اور پیار کرتے تھے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے بھی اِنہیں الفاظ کا اعادہ کیا اور ابن زیاد کو اس حرکت سے ڈانٹا۔

ابن زیاد یہ الفاظ اور ڈانٹ سن کر آگ بگولا ہوگیا اور یہ کہہ کر اسی وقت حضرت انسؓ اور زید بن ارقمؓ کو دربار سے نکلوا دیا کہ ''تمہاری صحابیت اور بڑھاپے پر رحم کرتا ہوں، ورنہ ابھی مروا ڈالتا۔ وہ یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے کہ تو وہ لعین ہے کہ ''جب تو نے فرزند رسولؐ کو شہید کروا دیا تو ہماری ہستی کیا ہے؟''

اس کے بعد ابن زیاد نے اس کامیابی پر کھڑے ہوکر خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ کا احسان ہے جس نے ہمیں فتح عطا کی اور ہمارے دشمنوں کو تنگی اور مصیبت میں گرفتار کیا۔

حضرت زینبؓ نے فرمایا: خدا کا احسان ہے جس نے ہمیں خاندانِ نبوت میں پیدا کرکے شرف و بزرگی عطا فرمائی۔

ابن زیاد بولا کہ ''دیکھو لو اپنے بھائی کا انجام جس نے اسے خاک میں ملا دیا۔ یہ ہے اس کی قدرتِ جلیلہ۔'' اس کے جواب میں حضرت زین العابدینؒ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی

﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾

پھر کہا کہ وہ وقت دور نہیں جب ہمارا اور تمہارا معاملہ احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہوگا۔

ابن زیاد نے جھلا کر پوچھا: یہ کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کا فرزند ہے تو فوراً حکم دے دیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔ پھر بولا: میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ نسلِ حسین سے کوئی اولادِ ذکور باقی نہ رکھی جائے۔

اس حکم پر حضرت زینبؓ تڑپ گئیں اور فرمایا: ''بدبخت! کیا نسلِ محمدیؐ کو دنیا سے ناپید کرنا چاہتا ہے۔'' اس کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ یاالٰہا! تیرے رسول کا سب خاندان ان ظالموں کے ہاتھوں برباد ہوچکا۔ تیرے رسول کا نواسہ انتہائی مصائب اُٹھا کر شہید ہوگیا اور اب یہ شقی تیرے رسول کی نسل ہی قطع کرنے کے درپے ہے۔ فریاد ہے اے بے کسوں کے وارث! فریاد ہے۔ اپنی بندی کی سن اور اپنے رسولؐ کی نسل قائم رکھ!

اس دعا میں کچھ ایسا درد تھا کہ فوراً قبول ہوگئی اور ابن زیاد نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

www.KitaboSunnat.com

یزید کا دربار

تیسرے روز ابن زیاد نے شمر کی نگرانی میں ایک دستہ فوج کے ساتھ حضرت حسینؓ کے سرمبارک اور اہل بیت کو یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔

یزید نے میدانِ کربلا کے واقعات سنے تو رو پڑا اور کہنے لگا: خدا ابن زیاد پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور درگزر کرتا۔ اللہ تعالیٰ حسینؓ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ (ابن جریر کامل، تاریخ کبیر)

شام کے وقت یزید نے اہل بیت کو اپنے سرداروں کی مجلس میں بلایا اور مشورہ کیا۔ نعمان بن بشیر نے کہا: ان کیساتھ وہی سلوک کرو جو رسول اللہ ﷺ انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔

حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے کہا: اے یزید! یہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہیں۔ اس نسبت کے ذکر سے یزید اور اسکے درباری متاثر ہوئے اور انکی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ نکلے۔

اسی اثنا میں واقعات کی خبر یزید کے حرم سرا میں پہنچی اور یزید کی بیوی ہند بنت عبداللہ منہ پر نقاب ڈال کر باہر آئی اور کہا: امیر المومنین کیا حسین بن فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کا سر آیا ہے؟ یزید نے کہا: ہاں! تم خوب روؤ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو، بین کرو، ابن زیاد نے بہت جلدی کی کہ اُنہیں قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے!

جب اہل بیت کی خواتین یزید کے محل میں پہنچائی گئیں تو خاندانِ معاویہؓ کی خواتین نے اُنہیں دیکھ کر بے اختیار رونا پیٹنا شروع کر دیا۔

چند روز کے بعد یزید نے اہل بیت کو مدینہ کی طرف رخصت کیا۔ محافظ نے راستہ میں اس مصیبت زدہ قافلہ سے بہت اچھا برتاؤ کیا جب منزلِ مقصود پر پہنچے تو حضرت زینبؓ بنت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بنتِ حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجا اور کہا یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے ہمارے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہیں دیں۔

محافظ نے زیور واپس کر دیئے اور کہا۔ واللہ! میرا یہ برتاؤ کسی دنیوی طمع سے نہیں تھا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی پاسداری مقصود تھی۔ یہ مظلوم قافلہ جب مدینہ میں پہنچا تو تمام شہر پر افسردگی اور مایوسی چھا گئی۔ بنی ہاشم کے لوگ زاروقطار رونے لگے مگر بجز صبر وشکر کے کیا چارہ تھا۔ اور

www.KitaboSunnat.com

سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے اور کیا ہوسکتا تھا؟

ظلم کا انتقام

یزید، ابن زیاد، عمرو بن سعد، شمر اور دیگر ظالموں نے ظلم کا خمیازہ اسی دنیا میں بہت جلد بھگتا۔ یزید نے دردِ قولنج میں تڑپ تڑپ کر ۳۹ سال کی عمر میں جان دی، اس نے اپنے بیٹے معاویہ کو آخری وقت میں وصیت کے لئے بلایا مگر اس نے خلیفہ بننے سے صاف انکار کردیا۔

مختار ثقفی نے قوت پکڑ کر اہل بیتِ رسولؐ کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کیا۔ ان ہی میں عمرو بن سعد، شمر اور دیگر ہزارہا اشقیا قتل ہوئے۔ آخر میں ابن زیاد کا سر طشت میں رکھ کر اسی محل میں مختار ثقفی کے سامنے پیش کیا گیا جس میں سیدنا حسینؓ کا سر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تھا۔

مختار ثقفی کے بعد مصعب بن زبیرؓ نے رہے سہے ظالموں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

قتل حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

برادرانِ اسلام

سیدنا حسینؓ کی حیاتِ طیبہ پر غور کیجئے کہ اُنہوں نے کس صبر واستقلال، اولوالعزمی اور جوانمردی سے دنیا کے سخت سے سخت مصائب ونوائب کا مقابلہ کیا۔ آخری دم تک حوصلہ نہ چھوڑا۔ قیامِ عدل وانصاف اور حصولِ آزادی کے لئے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے عزیزوں کو خاک وخون میں تڑپتے دیکھا اور آخر خود بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ آخر وقت میں بھی نماز کو ادا کیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے۔

اے جوانانِ ملت! سیدنا حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ عظیم الشان شہادت ہمارے لئے ایک دائمی اُسوہ حسنہ ہے۔ وہ اس مظلومیت کے علمبردار ہیں جس سے آں حضرت ﷺ کی زندگی مرصع ہے۔ جب بھی فرزندانِ اسلام پر ظلم و استبداد اور غلامی کا ابرِ غلیظ مسلط ہوگا۔ حضرت سیدنا حسینؓ کا اُسوہ حسنہ رہنمائی کرے گا۔

کاش! اہل بیت کی خصوصی محبت کا دم بھرنے والے ماتم اور تعزیہ وغیرہ مشرکانہ بدعات چھوڑ کر حضرت حسینؓ کی عظیم الشان قربانی کے اصل مقصد پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کلمہ گو مسلمانوں کو حضرت حسینؓ کے دلیرانہ نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

محمد رفیق چودھری

قسط دوم

غامدی صاحب اور انکارِ حدیث

اس سلسلۂ مضامین میں اُن اُمور پر تفصیلی بحث وگفتگو کی جارہی ہے، جن کی بنا پر ہمارے نزدیک غامدی صاحب کا شمار منکرین حدیث میں ہوتا ہے اور اُن کا نظریۂ حدیث انکارِ حدیث پر مبنی ہے۔

پہلی قسط میں ہم نے غامدی صاحب کو اس لئے منکرِ حدیث قرار دیا تھا کہ وہ سنت کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے ماننے کی بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مانتے ہیں اور سنت کی اسلامی اصطلاح کا مسلّمہ مفہوم چھوڑ کر اس سے اپنا خود ساختہ مفہوم نکالتے ہیں۔ اب ہم زیر نظر مضمون میں اُن کے انکارِ حدیث کے کچھ نئے وجوہ بتائیں گے۔

◉ چنانچہ وہ حدیث کی اہمیت اور حجیت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم 'حدیث' کہا جاتا ہے، اُن کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔''

(میزان: ص۱۰، ۱۱ طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور واُصول ومبادی: ص۱۱، طبع دوم فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

◉ پھر اپنی اس بات کو وہ واضح اور دوٹوک انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں 'حدیث' کہا جاتا ہے، اُن کے بارے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اُن سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔''

(اُصول ومبادی: ص۶۸، طبع دوم فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

◉ پھر اپنے اس نظریے کو وہ بطورِ ایک اُصولِ حدیث کے، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

''اس (حدیث) سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔''

(میزان: ص۶۸، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

مذکورہ حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک

www.KitaboSunnat.com

① حدیث صرف اخبارِ آحاد کا نام ہے۔
② حدیث اور دین الگ الگ چیزیں ہیں۔
③ کسی حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔
④ کسی حدیث سے دین کا کوئی عمل ثابت نہیں ہوتا۔

اَب ہم ان تمام اُمور پر تفصیلی گفتگو کریں گے :

❶ کیا حدیث صرف اخبارِ آحاد کا نام ہے؟

علمِ حدیث کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حدیث صرف اخبارِ آحاد کا نام نہیں بلکہ اس میں اخبارِ متواترہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ غامدی صاحب کی 'روشن خیالی' ہے کہ وہ حدیث کو صرف اَخبارِ آحاد میں محصور و محدود قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ اپنی 'رُبع صدی' پر محیط دینی تحقیق کے ساتھ ساتھ کبھی چند لمحے اس پر بھی صرف کرتے کہ علم حدیث کی کوئی متداول کتاب مثلاً 'مقدمہ ابن الصلاح' اور 'نخبۃ الفکر' ہی دیکھ لیتے تو اُن کو یہ معلوم ہوجاتا کہ حدیث صرف اخبارِ آحاد کا نام نہیں ہے بلکہ اس اصطلاح میں اخبارِ متواترہ بھی شامل ہوتی ہیں۔

اُمت کے کسی فقیہ یا 'محدث' نے آج تک حدیث سے صرف اخبارِ آحاد مراد نہیں لیں اور نہ کسی نے اخبارِ متواترہ کو حدیث سے خارج قرار دیا ہے۔ یہ 'اعزاز' صدیوں بعد صرف غامدی صاحب کو حاصل ہوا ہے جنہوں نے تمام محدثین اور فقہا کے برخلاف صرف اخبارِ آحاد کو حدیث سمجھا ہے اور اخبارِ متواترہ کو حدیث کے زمرہ سے نکال باہر کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے کئی بار واضح کیا ہے کہ غامدی صاحب کا 'طریق واردات' یہ ہے کہ وہ اصطلاحات تو علماے اسلام کی استعمال کرتے ہیں مگر ان کے معانی اپنے جی سے گھڑ لیتے ہیں اور اس طرح خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وحی، کتاب، سنت، تواتر، فطرت، اِجماع، معروف، منکر اور عرف جیسی بہت سی اسلامی اصطلاحات کے من گھڑت معنی لے کر اُنہوں نے دوسروں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ غامدی صاحب نے اخبارِ متواترہ کو 'حدیث' کے زمرے سے خارج کرکے میرے نزدیک 'انکارِ حدیث کا ارتکاب' کیا ہے۔

❷ کیا حدیث اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں؟

غامدی صاحب نے حدیث اور دین کو دو الگ الگ چیزیں سمجھ رکھا ہے۔ اُن کے نزدیک

www.KitaboSunnat.com

حدیث دین سے خارج کوئی شے ہے، جس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ گویا دین حدیث کے بغیر بھی مکمل ہے اور حدیث دین سے زائد کوئی چیز ہے۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حدیث کے بغیر دین کا تصور صرف منکرینِ حدیث کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اہل اسلام حدیث وسنت کے بغیر اسلام کو مکمل نہیں سمجھتے، کیونکہ اسلام نام ہی قرآن وحدیث کے مجموعے کا ہے۔ اگر حدیث کو اسلام سے خارج کردیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا، وہ صحیح اسلام نہیں ہوگا بلکہ ناقص اور اُدھورا اسلام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناقص اور اُدھورا اسلام مقبول نہیں۔

❸ کیا حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا؟

غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو عقائد صرف حدیث سے ثابت ہیں، وہ اُن سب کے منکر ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ بہت سے اسلامی عقائد کی بنیاد صرف 'احادیث' پر ہے اور وہ صرف حدیث ہی سے ثابت ہیں جیسے:

① **تقدیر پر ایمان:** تقدیر پر ایمان لانا حدیثِ جبریلؑ سے ثابت ہے اور اس حدیث میں جو اُمور بیان ہوئے ہیں، اُن کو نبی کریم ﷺ نے 'دین' قرار دیا ہے «یُعَلِّمکم دینکم» (صحیح مسلم:۹) لہٰذا تقدیر پر ایمان لانا دین کا حصہ ہے اور اُن امور میں سے ہے جن پر ایمان لائے بغیر کسی مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ مگر غامدی صاحب فرما رہے ہیں کہ حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ تقدیر پر ایمان لانا کوئی الگ عقیدہ نہیں ہے بلکہ یہ توحید کے عقیدے کی فرع ہے تو پھر عقیدۂ آخرت کو عقیدۂ توحید کی فرع قرار دینے میں کون سا امر مانع ہے۔ وہ بھی تو توحید ہی کے عقیدے کی فرع ہے، لیکن اُس کی ایک مستقل حیثیت ہے اسی طرح تقدیر پر ایمان لانے کا عقیدہ بھی اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے نبی ﷺ نے حدیثِ جبریلؑ میں اس کو الگ اور مستقل حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور اس عقیدے کے بغیر کسی مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

عقیدۂ توحید کے علاوہ بہت سے عقائد احادیث ہی کی بنیاد رکھتے ہیں، مثال کے طور پر

② قبر کا عذاب (صحیح بخاری:۱۳۷۲)

www.KitaboSunnat.com

③ قبر میں فرشتوں کا آنا اور میت سے سوال و جواب کرنا (صحیح بخاری:۱۳۳۸)

④ یہ عقیدہ کہ تمام اَعمال کا دارومدار نیت پر ہے (صحیح بخاری:۱)

⑤ ختم نبوت کا عقیدہ اور مدعیٔ نبوت کا واجب القتل ہونا۔ (صحیح بخاری:۳۵۳۵، سنن ابی داود:۴۲۵۲)

⑥ یہ عقیدہ کہ گناہگار مؤمن دوزخ کی سزا پانے کے بعد بالآخر جنت میں جائیں گے۔ (صحیح بخاری:۷۴۴۰)

⑦ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اُٹھایا جانا (رفع عیسیٰؑ)؛ اور اُن کا دوبارہ قیامت کے قریب دنیا میں تشریف لانا (نزولِ عیسیٰؑ) (صحیح بخاری:۲۲۲۲)

⑧ نیک اعمال کو وسیلہ بنانے کا عقیدہ (صحیح بخاری:۲۲۱۵)

⑨ آخرت میں پُل صراط کا ہونا (جَسْر) جس پر سے سب انسانوں کو گزرنا پڑے گا پھر جو لوگ جنت کے مستحق ہوں گے، وہ اسے عبور کرکے جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخی اسے پار نہ کرکے جہنم میں گر جائیں گے۔ (صحیح بخاری:۷۴۴۰)

⑩ (رحمت کے) فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصاویر اور کتے موجود ہوں۔ (صحیح بخاری:۳۲۲۵)

⑪ نبی ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ جب آخرت میں وہ سجدہ میں جاکر اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں گے اور وہ مقبول شفاعت ہوگی۔ (صحیح بخاری:۴۷۱۲)

⑫ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ (صحیح مسلم:۲۹۹۶)

یہ اور اس طرح کے مزید بہت سے مسلّمہ اسلامی عقائد ہیں جو صرف حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ اب اگر غامدی صاحب کے اس نظریے کو درست مان لیا جائے کہ حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا تو ہمیں بہت سے مسلّمہ اسلامی عقائد کو ترک کرنا پڑے گا اور ہم غامدی صاحب کی خاطر اسلام کے مسلّمہ عقائد چھوڑ نہیں سکتے، کیونکہ ایسا کرنا عین گمراہی ہے۔

❹ کیا کسی حدیث سے دین کا کوئی عمل ثابت نہیں ہوتا؟

غامدی صاحب کے خیال میں حدیث سے دین کا کوئی عمل یا حکم ثابت نہیں ہوتا، لیکن اُن کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حدیث سے دین اسلام کے عقائد ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح ان سے دینی اعمال واحکام بھی ثابت ہوتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

پھر جس طرح حدیث سے ثابت شدہ عقائد کا انکار کفر اور گمراہی ہے، اسی طرح حدیث سے ثابت شدہ اعمال واحکام کا انکار بھی کفر اور گمراہی ہے۔ جو شخص بھی حدیث سے ثابت شدہ عقائد واعمال کا منکر ہے، علماے اسلام کے نزدیک وہ کافر اور گمراہ ہے۔ ذیل میں ہم چند ایسے دینی اعمال واحکام بیان کرتے ہیں جو صرف حدیث کی بنیاد پر ثابت ہیں:

① مرتد کے لئے سزاے قتل (صحیح بخاری:۶۸۷۸)

② شادی شدہ زانیوں کے لئے رجم یعنی سنگساری کی سزا (صحیح بخاری:۶۸۲۴)

③ شراب نوشی پر سزا (صحیح مسلم:۱۷۰۶)

④ مردوں کے لئے داڑھی بڑھانا (صحیح بخاری:۵۸۹۳)

⑤ عورتوں کے لئے خاص ایام میں نماز کا معاف ہونا (صحیح بخاری:۳۰۶)

⑥ کسی کی منگنی پر دوسرے کا منگنی نہ کرنا (صحیح بخاری:۵۱۴۴)

⑦ کسی کے سودے (بیع) پر دوسرے کا سودا نہ کرنا (صحیح بخاری:۲۱۳۹)

⑧ مردوں کے لئے سونے کے استعمال کا حرام ہونا (سنن ترمذی:۱۷۲۰)

⑨ مردوں کے لئے ریشم کا لباس پہننے کی ممانعت وحرمت (صحیح بخاری:۵۸۳۳، ترمذی:۱۷۲۰)

⑩ شہید کی میت کو غسل نہ دینا اور اُسے کفن نہ پہنانا (صحیح بخاری:۱۳۴۷، سنن ابی داود:۳۱۳۳)

⑪ کسی مسلمان مرد کے لئے اپنی پھوپھی، بھتیجی یا خالہ، بھانجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کا حرام ہونا (صحیح بخاری:۵۱۰۹)

⑫ پالتو گدھے، کچلی والے درندے، اور پنجے والے شکاری پرندوں کا گوشت حرام ہونا (صحیح بخاری:۳۱۵۵)

⑬ نمازِ تراویح (صحیح بخاری:۱۱۴۷)

⑭ نمازِ استسقا (صحیح بخاری:۱۰۰۵)

⑮ نمازِ کسوف (صحیح بخاری:۱۰۴۱)

⑯ کسی نبی کو اُس جگہ دفن کرنا جہاں اُس کی وفات ہوئی ہو (سنن ترمذی:۱۰۱۸)

⑰ مختلف قسم کے اَموال پر زکوٰۃ کے نصابات (دیکھئے کتب حدیث)

⑱ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد 'آمین' کہنا (صحیح ابن حبان:۱۸۰۲)

⑲ مریض کی عیادت کرنا (صحیح بخاری:۱۲۴۰)

www.KitaboSunnat.com

⑳ مردہ مچھلی کا حلال ہونا (صحیح بخاری:۴۳۶۲)

㉑ جوتا پہنتے وقت پہلے دائیں پاؤں میں جوتا پہننا اور اُتارتے وقت پہلے بائیں پاؤں سے جوتا اُتارنا (صحیح بخاری:۵۸۵۶)

㉒ مسجد میں داخل ہوتے وقت دعا کرنا اور مسجد سے باہر نکلتے وقت دعا کرنا (صحیح مسلم:۷۱۳)

㉓ نومولود کو گھٹی دینا (صحیح بخاری:۵۴۶۷)

㉔ حج مبرور کی جزا جنت ہے! (صحیح بخاری:۱۷۷۳)

㉕ وضو میں موزوں اور جرابوں پر مسح کرنا (صحیح بخاری:۲۰۵،سنن ابی داود:۱۴۶)

یہ اور اس طرح کے سینکڑوں دینی اعمال و اَحکام ہیں جو صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں اور ان کو دینی اعمال و اَحکام یا 'سنت' سے خارج سمجھنا (جیسا کہ غامدی صاحب سمجھتے ہیں) اسلام سے ناواقفیت اور پرلے درجے کی جہالت ہے۔

البتہ یہ بات ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ کسی حدیث کو صرف اسی صورت میں قبول کیا جائے گا جب وہ صحیح طور پر ثابت ہو۔ضعیف اور موضوع قسم کی کسی حدیث سے دین کا کوئی حکم یا عمل ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

حدیث کی اہمیت اور حجیت ایک مسلّمہ دینی امر ہے اور غامدی صاحب دین کے مسلمات ہی کے منکر ہیں۔اس لئے وہ ہمارے نزدیک نہ صرف منکرِ حدیث ہیں بلکہ منکر دین بھی ہیں۔ حدیث سے محرومی پورے دین سے محرومی ہے۔دین ایک اکائی ہے اور اس کے کسی ایک جزو کا انکار اس کے کل کا انکار ہے۔آپ یہ نہیں کر سکتے کہ اسلام کے بعض عقائد و اعمال کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔آپ کو یا تو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کو تسلیم کرنا ہوگا یا سب کو ترک کرنا ہوگا۔آدھا، پونا، تہائی اور دو تہائی اسلام ایک بے معنی چیز ہے۔ دین اسلام میں اگر آپ حدیث کو چھوڑ دیں گے تو آپ کو پورے دین اسلام سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو دین سے محروم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔

غامدی صاحب کو سوچنا چاہئے کہ حدیث کے بارے میں وہ اپنا عجیب وغریب نظریہ اختیار کرنے کے بعد کہاں کھڑے ہیں؟ دائرۂ اسلام کے اندر یا دائرۂ اسلام کے باہر؟ کیونکہ دائرۂ اسلام کے اندر والے تمام اہل اسلام، اسلام کے بیشتر عقائد اور اعمال و احکام حدیث ہی سے لیتے ہیں جبکہ غامدی صاحب حدیث سے کوئی عقیدہ یا عمل یا حکم لینے ہی کے منکر ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں کئی مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم موجود ہے۔ جو حدیث ہی کی پیروی کا دوسرا نام ہے:

① ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان (دونوں کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

② دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷)

''رسولؐ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اُس سے رُک جاؤ۔''

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے ہر فرمان کو واجب الاطاعت قرار دیتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صحیح حدیث کو ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

③ بلکہ یہاں تک فرما دیا گیا کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرلی تو اُس نے اللہ کی اطاعت کرلی:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

''جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرلے، اُس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چونکہ غامدی صاحب کے نزدیک:

① حدیث صرف اخبارِ آحاد کا نام ہے اور اس میں اخبارِ متواترہ شامل نہیں۔

② حدیث اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں اور حدیث کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

③ کسی حدیث سے دین کا کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

④ کسی حدیث سے دین کا کوئی عمل اور حکم ثابت نہیں ہوتا۔

لہٰذا ہماری رائے میں غامدی صاحب اپنے مذکورہ بالا نظریات رکھنے کی بنا پر 'منکرِ حدیث' قرار پاتے ہیں اور ان کا شمار منکرین حدیث میں ہوجاتا ہے، کیونکہ حدیث کے بارے میں اُن کے یہ خیالات اُمت کے اُن مسلمہ عقائد و اعمال کے بالکل خلاف ہیں جن کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان کی جاچکی ہے۔ (جاری ہے)

www.KitaboSunnat.com

فہارس

محمد شاہد حنیف

'اربعین' کے موضوع پر لکھے گئے کتابچے

نبی کریم ﷺ کے مبارک فرامین کی خدمت ایک عظیم المرتبت سعادت ہے۔آپ کی ۴۰/احادیث کو روایت کرنے والوں کے بارے میں زبانِ نبویؐ سے مختلف بشارتیں صادر ہوئی ہے مثلاً «من حفظ على أمتي أربعين من أمر دينها بعثه الله يوم القيامة في زمرة الفقهاء» یا «.....بعثه الله فقيهًا وعالما» یا «.....وكنتُ له يوم القيمة شافعًا وشهيدًا» وغیرہ وغیرہ .....لیکن کبار محدثین کے نزدیک اس نوعیت کی تمام روایتیں ضعف سے خالی نہیں، البتہ ابن عساکرؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ نے کثرتِ طرق کی بنا پر اس کے متن کو مقبول قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے ضعف کے باوجود احادیثِ نبویہؐ کو روایت، یاد کرنے اور آگے پہنچانے کے موضوع پر کئی دیگر مستند احادیث بھی موجود ہیں جن کی بنا پر کئی ممتاز علماے عظام نے اس میدان میں خصوصی کاوشیں کی ہیں ۔ البتہ ۴۰ کی تعداد پر مبنی حدیث کے ضعف کے باوجود علما میں مختلف مناسبتوں اور موضوعات پر ۴۰/احادیث کو روایت/مرتب کرنے کی ایک پختہ روایت موجود ہے جس کا اظہار زیرنظر فہرست میں بھی موجود ہے۔

یوں تو علمی لحاظ سے یہ امر زیادہ مناسب تھا کہ مختلف موضوعات ومقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان مجموعہ ہائے اربعین کی فہرست کو پیش کیا جاتا تاکہ ایک ہی نوعیت کے کتابچوں تک رسائی آسان ہوجاتی،لیکن ہر کتابچے میں ایسی مرکزی قدرِ مشترک کا تعین کرنا بذاتِ خود ایک محنت طلب اور مشکل مسئلہ ہے، اس بنا پر سردست مصنّفین کے ناموں کی الف بائی ترتیب کے مطابق ہی اس فہرست کو پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

'اربعین' کی زیرنظر فہرست اپنی نوعیت کی پہلی کاوش ہے جس سے مطالعہ حدیث کا شوق رکھنے والوں کو بنیادی اور مختصر لیکن جامع کتبِ حدیث کی طرف رہنمائی کا مقصدِ عظیم حاصل ہوگا۔اس فہرست میں ایسے کتابچے جو مختلف مطابع سے ایک سے زائد بار شائع ہوئے ہیں، اُنہیں مستقل حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

الحمدللہ اربعین کے یہ تمام مجموعے ادارۂ محدث کی لائبریری میں افادۂ عام کے لئے موجود ہیں۔

زیرنظر فہرست کے مرتب وجامع **مجلس التحقیق الاسلامی** کے شعبۂ رسائل وجرائد کے انچارج جناب شاہد حنیف، ماضی میں اشاریہ اور فہرست سازی میں غیر معمولی خدمات انجام دے کر متعدد اہل علم سے اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کروا چکے ہیں۔ان کی کاوشوں پر مبنی اس نوعیت کی دیگر فہارس کی اشاعت کا سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رہے گا جس میں سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر لکھے جانے والے مضامین اور کتابچوں کی ایک جامع فہرست عنقریب قارئین 'محدث' کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ان شاء اللہ ح م

www.KitaboSunnat.com

① ابراہیم یوسف باوا: **فضائل چہل احادیث**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۱۰

② نوربخش، سیّد: **أربعة وأربعون حديثا** مترجم: محمد علی، ثنائی برقی پریس، لاہور، س ن، ص ۶۲
اس مجموعے میں چالیس چالیس احادیث چار حصوں میں درج کی گئی ہیں جس کے مرتب ابواسحٰق محمد عجمی ہیں۔ اس میں کل ایک سو ساٹھ احادیث شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے اَحکام کے بارے بیان کی گئی ہیں۔

③ اسرار احمد، مفتی: **الاربعین: جہاد اور مجاہدین کے فضائل**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۱۸

④ اصغر علی شاہ: **چالیس احادیث مصطفےٰ ﷺ**، مرکزی تنظیم تحفظ مقامِ مصطفےٰ، لاہور، س ن، ص ۱۵

⑤ بشیر احمد ملک: **۴۰ راحادیث نبویؐ**، کنز الایمان سوسائٹی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۶
اس مجموعہ میں مختلف عنوانات کے حوالے سے ایسی احادیث جمع کی گئیں ہیں جن میں حضور ﷺ نے زندگی کا وہ سیدھا، صحیح، آسان اور روشن راستہ بتایا ہے جس پر چل کر ہم دنیا میں مسرت، راحت، سکون، فلاح اور خوش حالی کی بلندیوں پر پہنچ سکتے ہیں اور آخرت میں بھی خالق کائنات کے سامنے سرخرو ہوسکتے ہیں۔

⑥ بیگم نسیم مدنی: **چہل حدیث مدنی**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۳۲ (پاکٹ سائز)

⑦ چراغ دین: **چہل حدیث ونودنہ نام مبرحم**، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور، ۱۳۴۲ھ، ص ۶۴

⑧ راشدہ پروین: **چہل حدیث شریفہ**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۳۴ (پاکٹ سائز)
اس مجموعہ میں نماز کے مسائل خصوصی طور پر بچوں کو سکھانے کے لیے جمع کیے گئے ہیں اور آخر میں چالیس مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔

⑨ رخسانہ عثمانی: **چہل حدیث**، مکتبہ طارق اکیڈمی، ڈی گراؤنڈ، سموسہ چوک، فیصل آباد، ۲۰۰۱، ص ۱۶

⑩ رضا: **سخنانِ تابناک**، ادارۂ اُمورِ فرہنگی آستانِ قدس، سازمان چاپ مشہد، ۱۳۶۸ھ، ص ۸۵

⑪ روح الامین قادری: **اربعین رضویہ**، انجمن جاں نثارانِ مصطفےٰ ﷺ شورکوٹ، ۱۹۸۹ء، ص ۴۰
اس مجموعہ میں ایسی احادیث جمع کی گئیں ہیں جن کے مطالعہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے فیضان کے حصول کے علاوہ عقائد اور دین کے اہم مسائل کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل ہوں گی۔

⑫ زبیر علی زئی، حافظ: **هدية المسلمين في جمع الأربعين من صلاة خاتم النبيين**

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ السنۃ الدار السّلفیہ لنشر التراث الاسلامی، ۱۸ سفید مسجد، سولجر بازار، کراچی، ۱۴۲۰ھ، ص ۱۱۲
مذکورہ کتاب میں نبی ﷺ کی چالیس مستند حدیثیں مع فوائد وتشریحات جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ابو یوسف محمد شریف کے مجموعہ چالیس احادیث بعنوان 'اربعین حنفیہ' کے جواب میں ہے جس میں نماز کے بارے میں احادیث جمع کی گئی ہیں۔ مولانا علی زئی کی اس مختصر تالیف میں مسنون نماز کے بیشتر مسائل کی توضیح کی گئی اور صحیح احادیث کا بطورِ خاص خیال رکھا گیا ہے۔

⑬ زکریا کاندھلوی، مولانا: **چہل حدیث، صلوٰۃ وسلام**، خانقاہ چشتیہ صابریہ، میر پور، آزاد کشمیر، ص ۶۲

⑭ ساجد القلم: **اربعین**، فیصل آباد، س ن، ص ۳۲ (پاکٹ سائز)

⑮ سرفراز خاں صفدر، مولانا: **ثلاثۃ اربعین سرفرازی**، کالراں کلاں، گجرات، س ن، ص ۱۶۰

⑯ سعید اللہ قاضی: **علم، تعلیم اور تعلّم کے بارے چالیس احادیث**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، ص ۴۲

⑰ سلطان محمود سیفی: **مجموعہ چہل حدیث نبویہ**، مدرسہ مفتاح العلوم، لائل پور، س ن، ص ۳۲
اس مجموعے میں ضروری حدیثیں، عربی عبارت مع اعراب اور آسان اُردو ترجمہ شامل ہے۔

⑱ شاہ ولی اللہ: **اربعین ولی اللہی** مترجم: عبدالماجد دریابادی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۲۹
شاہ ولی اللہ کا مجموعۂ اربعین جو ماہنامہ الرحیم (حیدرآباد) کے شمارہ مئی ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے ترجمہ وغیرہ کو متن واضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

⑲ شہزاد مجددی سیفی: **اربعین سیفی**، سنی لٹریری سوسائٹی ریلوے روڈ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۴۸
اس مجموعہ میں عقائد و اعمال، حبِ خدا اور رسول ﷺ، اقامت و احیاے سنت کی اہمیت وفضیلت، فضیلتِ علم وغیرہ پر مشتمل احادیث کو پہلے فارسی میں منظوم کیا گیا، پھر اُردو زبان میں مختصر تشریح بھی کردی گئی تاکہ خاص وعام دونوں مستفید ہوسکیں۔

⑳ شہزاد مجددی سیفی: **اربعین فاتحہ**، سنی لٹریری سوسائٹی، ریلوے روڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۳۲
سورۃ الفاتحہ جیسی عظیم الشان اور برکتوں بھری سورۂ مبارکہ سے متعلق چالیس احادیث اس میں جمع کی گئی ہیں۔ ہر حدیث کے ساتھ اُردو ترجمہ اور مآخذ کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

㉑ صادق سیالکوٹی، مولانا: **بستان الاربعین**، مکتبہ نعمانیہ اُردو بازار، گوجرانوالہ، س ن، ص ۶۴
اس رسالے میں رسول ﷺ کی چالیس حدیثوں کے درخشاں ہیرے جگمگ جگمگ کررہے ہیں جن کی روشنی سے مسلمانوں کی زندگی کے کئی تاریک پہلو نور کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔

㉒ صادق سیالکوٹی، مولانا: **بیاض الاربعین**، مکتبہ دارالسلام، الریاض، سعودی عرب، ۱۹۹۴ء، ص ۴۸

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب میں معاشرے میں روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والی چالیس احادیث کا مجموعہ 'بیاضِ اربعین' کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے جسے قبول عام کا درجہ حاصل ہے۔

㉓ ظفر علی خاں: **گنج شائیگاں**، مترجم: صادق حسین، دل محمد روڈ، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص۱۴

㉔ ظفر علی خاں: **گنج شائیگاں**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۵۰

مولانا جامی نے چالیس احادیث کا منظوم ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں نے انہی احادیث کا ترجمہ اُردو نظم میں کیا جو کہ روزنامہ زمیندار میں ۱۰؍ستمبر ۱۹۲۷ء کو 'گنج شائیگاں' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

㉕ عاشق الٰہی، مفتی: **چہل حدیث متعلقہ فضائلِ جہاد**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۲۲

㉖ عاشق الٰہی، مفتی: **شرعی پردہ**، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۱۲۸

اس مجموعہ احادیث میں پردہ کے مفصل احکام کے حوالے سے چالیس احادیثِ شریفہ درج کی گئی ہیں اور ہر حدیث کو متن بنا کر ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کیا ہے اور مسلمانوں کے موجودہ رویہ اور روش کو سامنے رکھ کر بار بار تعلیم نبویؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف واپس آنے کی دعوت دی ہے۔ تقلیدِ یورپ کے جو اثرات وثمرات مسلمانوں کی معاشرت میں پھیل چکے ہیں، ان کی خرابی پر بار بار متنبہ کیا گیا ہے۔

㉗ عاشق الٰہی، مفتی: **چہل حدیث حقوق الوالدین**، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ص۱۱۲

㉘ عاشق الٰہی، مفتی: **آسان نماز اور چالیس مسنون دعائیں**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۶۴

اس مجموعہ میں نماز کے مسائل خصوصی طور پر بچوں کے سمجھانے کی طرز پر جمع کیے گئے ہیں اور آخر میں چالیس مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔

㉙ عاشق الٰہی، مفتی: **آسان نماز اور چالیس مسنون دعائیں** مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء، ص۱۱۲

اس مجموعے کے آخر میں چالیس احادیث درج کی گئی ہیں جن میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق اور ان کے اکرام واحترام اور خدمت وفرمانبرداری کے فضائل اور نافرمانی وایذارسانی کی وعیدیں مذکور ہیں۔ پورا رسالہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔

㉚ عاشق الٰہی، مفتی: **چالیس حدیثیں، فضائل رمضان وصیام**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۱۹

㉛ عاصم عبداللہ، مفتی: **گلدستہ چہل حدیث**، مکتبہ جامعہ حمادیہ، کراچی، س ن، ص۲۱۴

www.KitaboSunnat.com

اس مجموعے میں احادیث کے اُردو ترجمے کے ساتھ مختصر تشریح بھی شامل ہے۔ اس میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں اعلیٰ اخلاق اور تہذیب وتمدن اور ہماری روزمرہ زندگی سے متعلق زرّیں اصول بیان ہوئے ہیں۔

(۳۲) عبدالحکیم، مفتی: **جوامع الکلم کی چہل حدیث**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۱۰

(۳۳) عبدالرحیم اشرف، حکیم: **اربعین اشرف**، طارق اکیڈمی، سموسہ چوک، فیصل آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۵
اس کتاب میں مصنف نے مختلف عنوانات قائم کرکے اسلامی زندگی کے چند نمونے پیش کیے ہیں، مثلاً اصولِ اسلام، ملی مسائل، اسلامی تمدن، اسلامی معیشت وغیرہ۔ یہ کتاب حجم کے اعتبار سے گو مختصر ہے مگر اس میں جو بیان کردہ معلومات بڑی ہی اہم اور ضروری ہیں اور وقت کا تقاضا ہے کہ اس نوع کی چیزیں، آسان پیرایہ میں لوگوں کو بتائی جائیں۔

(۳۴) عبداللہ بن صالح: **الأحاديث الأربعين النووية** جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ، ص ۹۵

(۳۵) عبداللہ شاہین: **اربعین نبویؐ**، شیخ جمیل اینڈ سنز، حافظ آباد، س ن، ص ۳۲
اس مجموعہ احادیث میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہیں جن کا متن مختصر ہے، لیکن وہ زبردست معاشرتی افادیت کی حامل ہیں تاکہ مسلمان اُنھیں ازبر کرکے زمرۂ علما میں شامل ہوں۔

(۳۶) عبداللہ شاہین: **اربعین نبویؐ**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۳۲

(۳۷) عنایت اللہ اثری: نظمُ القلادة يوم الو لادة، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۱۹۴۹ء، ص ۲۰

(۳۸) عنایت اللہ چشتی: **چالیس ارشادِ مبارکہ**، مرکزی تنظیم تحفظِ مقام مصطفےٰ لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۵

(۳۹) غلام دستگیر: **چہل حدیث رسولِ انام ﷺ**، ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۳۲
صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں یہ 'اربعین فضائل صحابہ' کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

(۴۰) غلام دستگیر: **چہل حدیث رسولِ انام ﷺ**، سنی لٹریری سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۴۰

(۴۱) فاروق بی اے: **توضیح اربعین**، چشتی کتب خانہ جھنگ بازار، لائل پور، س ن، ص ۷۸

(۴۲) فیض احمد اویسی: **چہل حدیث برائے خواتینِ اسلام**، مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاول پور، س ن، ص ۱۸

(۴۳) کفایت اللہ، مفتی: **تعلیم الاسلام**، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ۱۳۲۴ھ، ص ۲۱۶
ایسی احادیث جو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب وتمدن کے زریں اصول بیان کرتی ہیں۔

(۴۴) محمد احمد، مولانا: **چہل حدیث در فضائل قرآن مجید**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۲۶

www.KitaboSunnat.com

㉕ محمد احمد، مولانا: **چہل حدیث درسورتوں کے فضائل**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۱۸

㉖ محمد اقبال: **صلوٰۃ وسلام**، ناشر امان اللہ خان، ایبٹ آباد، اسلام آباد، س ن، ص ۶۴ (پاکٹ سائز)

㉗ محمد انوری، مولانا: **اربعین**، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، س ن، ص ۳۲

اس مجموعے میں ختم نبوت، نزولِ عیسیٰؑ مرتد کا حکم، حضور ﷺ کو گالی دینے والے کا حکم اور مسلکِ حنفی کی مؤید حدیثیں درج کی گئی ہیں۔

㉘ محمد سلیمان (روہڑی والے)، حکیم: **اربعین سلیمانی**، پسرور، سیالکوٹ، س ن، ص ۱۶

㉙ محمد شریف، ابو یوسف: **اربعین نبویہ**، کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ، س ن، ص ۴۸

اس مجموعے میں رسول ﷺ کے فضائل کے بارے میں چالیس حدیثیں بمعہ حوالہ لکھی گئی ہیں۔

㉚ محمد شریف، ابو یوسف: **اربعین حنفیہ**، سنی لٹریری سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۸۸

اس مجموعہ میں چالیس حدیثیں دربارۂ نماز با حوالہ لکھی گئی ہیں اور نماز کے اختلافی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

㉛ محمد شریف، ابو یوسف: **اربعین حنفیہ**، رضا اکیڈمی، لاہور، س ن، ص ۵۲

㉜ محمد شریف، ابو یوسف: **اربعین حنفیہ**، کتب خانہ ماہِ طیبہ، کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ، س ن، ص ۸۰

㉝ محمد شفیع، مفتی: **جوامع الکلم یعنی چہل حدیث**، مرتب: راحت علی ہاشمی، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۴

اس مجموعہ میں تعلیم اخلاق کے بارے میں احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔

㉞ محمد شفیع، مفتی: **جوامع الکلم**، دارالحدیث بیرون بوہر گیٹ، ملتان، س ن، ص ۸

㉟ محمد شفیع، مفتی: **جوامع الکلم**، مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۴

㊱ محمد شفیع، مفتی: **جوامع الکلم**، مکتبہ الحسن، اردو بازار، لاہور، ۱۳۲۴ھ، ص ۸

㊲ محمد طاہر، قاری: **اربعین تجوید قراءت**، مکتبہ التجوید، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

㊳ نفیس الحسینی، مولانا سید: **الاربعین صلوٰۃ وسلام**، دارالنفائس کریم پارک، لاہور، ۱۴۲۱ھ، ص ۴۰

㊴ نور حسین گرجاکھی: **اَربعین (دعائیں)**، ناشر محمد الیاس، فیصل آباد، س ن، ص ۳۲ (پاکٹ سائز)

㊵ وحید الدین قاسمی: **تعلیمی چہل حدیث**، فضلی سنز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۰

㊶ وحید الدین قاسمی: **تعلیمی چہل حدیث**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص ۱۰۰

www.KitaboSunnat.com

(۶۲) وحید الدین قاسمی: **تعلیمی چہل حدیث**، مکتبہ ادب اسلامی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۹۴
اس مختصر مجموعۂ احادیث میں تعلیم کے حصول اور فضائل کے حوالے سے حتی الامکان چھوٹی چھوٹی آسان احادیث جمع کی گئی ہیں۔

(۶۳) ہارون احمد چشتی: **اربعین، حصہ اوّل**، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۹۷ء، ص۴۸
اس مجموعے میں جو چالیس احادیث شامل کی گئی ہیں، وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ 'متفق علیہ' کے زمرہ میں آتی ہیں اور بلا مبالغہ ثقہ ترین ہیں۔

(۶۴) ہارون احمد چشتی: **اربعین، حصہ دوم**، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۹۸ء، ص۴۸۔

(۶۵) یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **شرح الاربعین النوویۃ**، (عربی) مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س ن، ص۱۱۶

(۶۶) یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **اربعین نووی**، مترجم: محمد صدیق ہزاروی، مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ، مانسہرہ، ۱۹۸۹ء، ص۹۶

(۶۷) یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **متن الأربعین النوویۃ**، مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور، س ن، ص۴۸

(۶۸) یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **شرح اربعین نووی، اسلام کے احکام و آداب**، مترجم: سعید مجتبیٰ سعیدی، دارالسلام، س ن، ص۲۹۶

(۶۹) یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **شرح اربعین نووی**، مترجم: مفتی عاشق الٰہی، صدیقیہ دار الکتب، ملتان، ۲۰۰۱ء، ص۲۳۴

(۷۰) یحییٰ بن شرف الدین، امام: **شرح اربعین نووی**، مترجم: چودھری عبدالحفیظ و پروفیسر ظفر اقبال، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ن، ص۳۶۴
مترجمین کے بقول: ''علما، اساتذہ، طلبا کے ساتھ ساتھ عام قاری بھی اس شرح سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ اگر مفصل شرح لکھنے کا ارادہ ہوتا تو جامع العلوم والحکم جیسی شرح کا صرف اُردو ترجمہ کر دینا ہی کافی تھا اور اگر مختصر پر اکتفا ہوتا تو جو کچھ مارکیٹ میں دستیاب ہے، وہی کافی تھا۔''

(۷۱) یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **متن الأربعین النوویۃ** (مع انگریزی ترجمہ)، مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دارالسلام، الریاض، سعودی عرب، س ن، ص۱۴۴ (پاکٹ سائز)

۷۲ یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **مختصر اربعین نووی**، مترجم: ظفر اقبال، دارالاندلس، لاہور، س ن، ص۱۴۹ (پاکٹ سائز)

۷۳ یحییٰ بن شرف الدین النووی، امام: **شرح اربعین نووی**، مترجم: مفتی عاشق الٰہی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن، ص۲۴۰

۷۴ یوسف دہلوی، مولانا: **اربعین حدیثاً، چہل حدیث یوسفی**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۳۴ (پاکٹ سائز)

۷۵ .....: **چہل حدیث مبارکہ**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۲۱

۷۶ .....: **ارشاداتِ رسولِ مقبول ﷺ**، حضرو پرنٹنگ پریس، کوہاٹی بازار، راولپنڈی، س ن، ص۸

چند مزید مجموعے

۷۷ اُسامہ مراد: **چالیس دعائیں**، مترجم عبدالماجد دریابادی، منشورات، لاہور، س ن، ص۱۶

۷۸ شمیم قاسمی: **چالیس مستند اور مقبول دعائیں**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۳۲

۷۹ ظفر احمد قادری: **درود وسلام چالیس درود شریف**، مکتبہ قادریہ، لاہور، س ن، ص۱۱۲ (پاکٹ سائز)

۸۰ عزیز الرحمٰن: **موسیقی کی حقیقت مع چالیس احادیث**، زوار اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص۴۰

۸۱ یعقوبِ ربانی: **اربعین یعنی چالیس احادیث**، جامعہ اسلامیہ، فاروق آباد، شیخوپورہ، س ن، ص۳۲

۸۲ .....: **۴۰ قرآنی دعائیں**، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، س ن، ص۸

۸۳ .....: **اربعین نووی**، مترجم طارق اکیڈمی، طارق اکیڈمی، فیصل آباد، ۲۰۰۴ء، ص۸۰

نوٹ: ان کتب کے علاوہ مزید کتبِ اربعین کی تلاش جاری ہے، قارئین کے پاس کوئی فہرست یا کتب موجود ہیں تو اس کی فوٹو کاپی یا اصل کتاب فراہم کرکے شکریہ کا موقع دیں۔ نیز 'برصغیر میں اربعینات' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد امین صاحب کا ایک مضمون بھی لائق مطالعہ ہے جسے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے زیر اہتمام 'خدمتِ حدیث سیمینار' میں پیش کیا گیا۔

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 40 NO. 2
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرسالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700